شمارہ 16 نمبر
ستمبر 2005ء رجب/شعبان ۱۴۲۶ھ
اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ
ماھنامہ
الحدیث
حضرو
نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه
مدیر
حافظ زبیر علی زئی
صحیح بخاری کی دو حدیثوں کا دفاع
نصب العماد فی تحقیق حسن بن زیاد
جماعت المسلمین رجسٹرڈ کا "امام"
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت
زمانے کو بُرا کہنا۔۔۔۔۔۔۔؟
مکتبۃ الحدیث
مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک : پاکستان

کلمۃ الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

دورنگی

ہمارا معاشرہ روز بروز زوال پذیر ہوتا جارہا ہے۔اس کا ہر آنے والا دن پہلے سے زیادہ پرفتن اور پرخطر ہے۔ ہر کوئی دوکشتیوں کا سوار نظر آتا ہے اور دل میں یہ آرزو سمائے ہوئے ہے کہ میرا ایمان بھی برقرار رہے اور اعتدال پسند، روشن خیال اور ترقی یافتہ معاشرے (Society) میں میری عزت (Respect) بھی بحال رہے۔اگر میں روشن خیالی کی رَو میں بہہ کر اپنی ذاتی زندگی میں کوئی تبدیلی لاؤں مثلاً ڈاڑھی شیو کروں، شلوار، پاجامے سے لڑکیوں کی طرح اپنے ٹخنے ڈھانپ لوں یا گھریلو زندگی میں تبدیلی (Change) آجائے جیسے کیبل، نیٹ، ڈش انٹینا، وی سی آر وغیرہ کا بے دریغ استعمال اور اپنی بیوی، بہن، بیٹی کو بے پردہ بازار یا مخلوط پارکوں میں سیر وتفریح کی غرض سے لے جانا، گھر میں غیر محرم حضرات کا بلا جھجک آنا جانا (کیونکہ ان کے نزدیک روشن خیالی کا تقاضا ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ قدم بہ قدم چلیں!) تو کوئی اسلام پسند مجھے یہ نہ کہہ دے کہ یہ خلاف شریعت ہے اور اگر میں کبھی کبھار نماز یا جمعہ پڑھ لوں تو کوئی اعتدال پسند مجھے مُلا، انتہا پسند ''مسیتڑ'' نہ کہہ دے بس اس کے درمیان درمیان زندگی کی گاڑی چلتی رہے۔ یہ مختصر سا خاکہ ایسے حضرات کا ہے جو دنیا، معاشرہ، برادری وقبیلہ کے تقاضے تو یاد رکھتے ہیں لیکن قرآن وحدیث کے تقاضوں کو یکسر نظرانداز کردیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ [البقرہ:۲۰۸] ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' والی زندگی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں یا پھر شریعت کی جو بات طبیعت ومعاشرہ کے موافق ہو اس پر عمل کرنا اور جو اس کے برعکس ہو تو اسے ترک کردینا یہ بھی عنداللہ مذموم کام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾

کیا تم کتاب کے بعض احکام مانتے ہو اور بعض کا انکار کردیتے ہو؟ بھلا جو لوگ ایسے کام کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جائیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔[البقرہ:۸۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جس کے دو چہرے ہوتے ہیں، وہ لوگوں میں سے کسی کے سامنے ایک چہرے سے اور کسی کے سامنے دوسرے چہرے سے جاتا ہے۔

(مسلم:۲۵۲۶بعد ح ۲۶۰۴ وترقیم دارالسلام:۶۶۳۰، وموطا امام مالک:۲/۹۹۱ ح ۱۹۳۰)

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہوجا   سراسر موم ہو یا سنگ ہوجا

[وما علينا إلا البلاغ]

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

ترغیبِ صدقات، توحید و شرک، زمانے کو برا کہنا

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

(١٩) وعن أبي سعيد الخدري، قال: خرج رسول الله ﷺ في أضحى أو فطر إلى المصلى فمر على النساء، فقال: ((يا معشر النساء! تصدقن، فاني أريتكن اكثر أهل النار)) فقلن: وبم يارسول الله؟ قال: ((تكثرن اللعن، وتكفرن العشير، مارأيت من ناقصات عقل ودين اذهب للب الرجل الحازم من إحدا كن)). قلن: ما نقصان ديننا وعقلنا؟ يا رسول الله! قال: ((أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل؟)) قلن: بلى قال: ((فذلك من نقصان عقلها. قال: أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم؟)) قلن: بلى. قال: ((فذلك من نقصان دينها)) متفق عليه

(سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ: عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن رسول اللہ ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے تو آپ (ﷺ) نے عورتوں کے پاس تشریف لا کر فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقے کرو کیونکہ میں نے تمہاری (یعنی عورتوں کی) اکثریت کو (جہنم کی) آگ میں دیکھا ہے۔

وہ کہنے لگیں: کیوں؟ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم لعن (وطعن) بہت کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا جو عقل و دین کے نقصان (کمی) کے باوجود عقل مند مرد کی عقل کو اُچک کر پاگل کر دے۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! ہماری عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا: یہ اس کی عقل کا نقصان ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا جب عورت کو حیض ہو تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔ (البخاری: ۳۰۴ و مسلم: ۱۳۲/۸۰)

فقه الحديث

١: اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مَردوں کو عورتوں پر بحیثیت مجموعی برتری حاصل ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ مرد عورتوں پر نگران ہیں۔ [سورۃ النساء: ۳۴]

٢: نماز دین اسلام کا ایک (یعنی دوسرا) بنیادی رکن ہے۔ چونکہ نماز عمل کا نام ہے لہذا ثابت ہوا کہ نماز اعمال دین (یعنی ایمان) میں سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ اور اللہ تمہارے ایمان

(یعنی نمازیں) ضائع نہیں کرے گا۔ [سورۃ البقرہ:۱۴۳]

۳: عورت کو جن دنوں میں حیض کی بیماری ہو (ایامِ حیض) ان میں وہ نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ اس کے لئے دین کے یہ دونوں کام، اس حالت میں ممنوع ہیں۔ دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ ایامِ حیض گزرنے کے بعد وہ روزوں کی تو قضا کرے گی لیکن نماز کی قضا نہیں کرے گی۔

۴: آپ ﷺ نے کب عورتوں کو جہنم میں دیکھا تھا؟ اس کا ذکر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے سورج گرہن والی نماز کے دوران عورتوں کو جہنم میں دیکھا تھا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۰۵۲) وصحیح مسلم (۱۷/ ۹۰۷) واَضواء المصابیح (۱۴۸۲)

تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ ہر آدمی کو بہتر (۷۲) حوریں اور سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد سے دو عورتیں ملیں گی۔ (مسند ابی یعلی بحوالہ النہایۃ فی الفتن والملاحم ۱/ ۱۷۷ ح ۴۹۸ بتحقیقی، وتحقیق ثانی ح:۵۳ والمطولات للطبرانی ح: ۳۶/ المعجم الکبیر ۲۵/ ۲۷۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ ہوں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے، اس کا راوی اسماعیل بن رافع: ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے کہا: **ضعیف الحفظ** (تقریب التہذیب:۴۴۲)

اس روایت کی سند متصل نہیں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **لا یصح** '' یہ صحیح نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی ۱/ ۲۷۸ وسندہ صحیح)

۵: اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کی گواہی آدھی ہے۔ یعنی ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **فَاِنۡ لَّمۡ یَکُوۡنَا رَجُلَیۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ** ﴾ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں [کی گواہی پیش کرو] (سورۃ البقرہ:۲۸۲)

تنبیہ: جن امور کا تعلق خاص عورت سے ہے مثلاً بچے کو دودھ پلانا وغیرہ تو اس میں ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہے اور اسی طرح قبولِ روایت میں ایک ثقہ عورت کی گواہی مقبول ہے۔

۶: مسلمان کا مسلمان پر لعنت بھیجنا حرام ہے اگرچہ جس پر لعنت بھیجی جا رہی ہے وہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک شرابی پر کسی نے لعنت بھیجی تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' **لا تلعنوہ** '' اس پر لعنت نہ بھیجو (صحیح البخاری:۶۷۸۰)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ متعین زندہ کافر پر بھی لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اگر کافر مر جائے اور اس بات کا یقینی ثبوت ہو کہ وہ کفر پر مرا ہے تو پھر اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے جیسے ابوجہل، ابولہب وغیرہ کافروں پر لعنت بھیجنا بالاجماع جائز ہے۔

کسی متعین انسان کا نام لئے بغیر عام لعنت بھیجی جا سکتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے شرابی اور سودی پر لعنت بھیجی ہے

دیکھئے سنن ابی داؤد (۳۶۷۵) وصحیح مسلم (۱۵۹۷، ۱۵۹۸)

(۲۰) وعن أبي هريرة ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((قال الله تعالى: كذبني ابن آدم ولم يكن له ذلك ، وشتمني ولم يكن له ذلك ؛ فأما تكذيبه إياي فقوله: لن يعيدني كما بدأني ، وليس أول الخلق بأهون علي من إعادته ۔ وأما شتمه إياي: فقوله: اتخذ الله ولداً، وأنا الأحد الصمد الذي لم ألد ولم أولد ، ولم يكن لي كفواً أحد))

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے یہ جائز نہیں تھا۔ اور اس (ابن آدم) نے مجھے گالیاں دیں حالانکہ اس کے لئے یہ جائز نہیں تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: جس طرح اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اس طرح دوبارہ (پیدا کرکے) نہیں لوٹائے گا۔ حالانکہ میرے لئے دوبارہ پیدا کرنا پہلے پیدا کرنے سے مشکل نہیں ہے (یعنی میرے لئے پہلے پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا دونوں آسان ترین ہیں) رہا اس (ابن آدم) کا مجھے گالیاں دینا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ: اللہ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں اکیلا بے نیاز ہوں، نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی مجھ سے پیدا ہوا ہے اور میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ (البخاری: ۴۹۷۴)

(۲۱) وفي رواية عن ابن عباس: ((وأما شتمه إياي فقوله: لي ولد ، وسبحاني أن أتخذ صاحبة أو ولداً)) رواه البخاري ۔

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی روایت میں آیا ہے کہ (اللہ نے فرمایا:) اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: میرا (خدا کا) بیٹا ہے، حالانکہ میری شان پاک ہے، نہ میری کوئی بیوی ہے اور نہ میرا کوئی بیٹا ہے۔ (البخاری: ۴۴۸۲)

فقه الحديث

۱: عیسائی پولسی حضرات یہ کہتے پھرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ آپ اولادِ آدم میں سے، اور داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔
صلیب کے پجاری عیسائی حضرات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے اور سمجھنے کی وجہ سے خدا کو گالیاں دیتے ہیں۔

۲: مشرک شرک کرتا ہے اور اپنے شرک کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے۔

۳: تمام اہلِ اسلام اور متبعین انبیاء کرام کا یہی عقیدہ ہے کہ قیامت کے بعد تمام انسانوں کو زندہ کیا جائے گا اور اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ جو شخص اس عقیدے کا انکار کرتا ہے وہ اپنے خالق و مالک، اللہ تبارک وتعالیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہے۔ اور یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا سمجھنے والا شخص کائنات کا بدترین کافر ہے۔

۴: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن کو احادیث قدسیہ کہتے ہیں۔ یہ احادیث تقریباً ایک سو سے زیادہ ہیں۔

حدیثِ قدسی اور قرآن مجید میں یہ فرق ہے کہ حدیث قدسی وحی غیر متلو ہے جو الہام، خواب یا فرشتے کے ذریعے بالمعنی یا باللفظ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے بتائی گئی ہے جب کہ قرآن مجید سارے کا سارا وحی متلو ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا ہر لفظ، اللہ کا کلام ہے اور نبی ﷺ تک متواتر ہے۔ نیز دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (۱/۸۳)

۵: اللہ رب العزت کتنا بے نیاز ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھی دنیا میں ڈھیل دے رہا ہے جو اسے گالیاں دیتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ ڈھیل ان لوگوں کی موت تک ہے۔ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ دکھ دینے والے عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۶: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے، بس الفاظ میں معمولی اختلاف ہے۔ ہر ایک نے جو سنا ہے وہ یاد رکھا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ایک روایت میں ایک چیز کا ذکر ہو اور دوسری میں ذکر نہ ہو تو عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

۷: روایت بالمعنی بھی جائز ہے۔

(۲۲) وعن أبي هريرة ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((قال الله تعالى: يؤذيني ابن آدم يسب الدهر ، وأنا الدهر ، بيدي الأمر ، أقلب الليل والنهار)) ۔ متفق عليه ۔

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے، وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور (حالانکہ) میں زمانہ (یعنی زمانے کا خالق) ہوں۔ اختیار میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ رات اور دن کو میں ہی تبدیل کر رہا ہوں۔ (البخاری: ۴۸۲۶ واللفظ لہ، مسلم: ۲/۲۲۴۶)

فقہ الحدیث

۱: اللہ کو تکلیف دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔

۲: مطلقاً زمانے کو برا کہنا یعنی گالیاں وغیرہ دینا ممنوع ہے کیونکہ زمانے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس سے یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ اعتراض کرنے والا زمانے کے خالق یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر رہا ہے۔ معاذ اللہ

۳: دہریہ عقائد والے کفار زمانے کو برا کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول منقول ہے ﴿ وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ﴾ یعنی ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ (سورۃ الجاثیہ: ۲۴) انہی کی پیروی کرتے ہوئے بعض جاہل عوام زمانے کو برا کہہ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ ایسی حرکتوں سے کلی اجتناب کرنا چاہئے۔ ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ ان تمام کاموں سے بچے جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

۴: صرف ایک اللہ ہی مدبر اور متصرف ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ جو لوگ اس کے شریک بنا لیتے ہیں، ان شریکوں سے اللہ پاک ہے۔

۵: بعض روایتوں میں زمانے کی مذمت بھی آئی ہے مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ: ''لایأتی علیکم زمان إلا والذی بعده أشر منه''، تم پر جو زمانہ بھی آئے گا اس کے بعد والا زمانہ اس کی بہ نسبت زیادہ شر والا (خراب) ہوگا۔ (البخاری:۷۰۶۸)

ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اچھا زمانہ ہو یا بظاہر برا زمانہ، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں زمانے کو برا نہیں کہا اور نہ گالیاں دی گئی ہیں۔

(۲۳) وعن أبي موسى الأشعري ، قال: قال رسول الله ﷺ :((ما أحد أصبر على أذى يسمعه من الله ، يدعون له الولد ، ثم يعافيهم ويرزقهم)) ۔ متفق عليه ۔

(سیدنا) ابوموسیٰ الاشعری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایذا (اور تکلیف) کی باتیں سن کر صبر کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں۔ (عیسائی اور مشرکین) یہ دعوی کرتے پھرتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، پھر (اس کے باوجود) اللہ انہیں رزق دیتا ہے اور عافیت (صحت) میں (بھی) رکھتا ہے۔

(البخاری:۷۳۷۸ومسلم:۴۹/۲۸۰۴)

فقه الحديث

۱: اللہ کے صبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہونے کے باوجود کافروں اور مشرکوں کو ڈھیل دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کافروں اور مشرکوں کو آن واحد میں نیست و نابود کر دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ اور وہ انہیں ڈھیل دیتا ہے تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ:۱۵)

۲: اللہ کو ایذا اور تکلیف دینے سے مراد مشرکین کا یہ دعوی ہے کہ خدا کی اولاد ہے۔ یعنی مشرکین اپنے شرک کی وجہ سے اپنے رب کو ناراض کر دیتے ہیں۔

۳: دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کو بھی رزق و خوشیاں دیتا ہے لیکن مرنے کے بعد ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ مرنے کے بعد رزق اور خوشیاں صرف ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا جو اس پر سچا ایمان لاتے ہیں، شرک و کفر نہیں کرتے، قرآن و حدیث کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

۴: صبر کرنا بہترین عمل ہے۔ رب کریم فرماتا ہے کہ ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ صرف صبر کرنے والوں کو ان کا اجر (بہترین بدلہ) بے حد و حساب دیا جائے گا۔ (سورہ الزمر:۱۰)

۶: سب گناہوں سے بڑا گناہ شرک ہے۔ مشرک اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو ابدی جہنمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ (جہنم کی) آگ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (سورۃ المائدہ:۷۲)

مصنف: امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ ترجمہ وفوائد: حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ اعمال

فجر کی دو رکعات (سنتوں) کی فضیلت:

(۵۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ [مسلم: ۷۲۵]

فوائد:

اس حدیث سے فجر کی دو سنتوں کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے بلکہ صحیح مسلم کی روایت ان الفاظ سے بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: ((لهما أحب إلي من الدنيا جميعاً)) مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب و پیاری یہ دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) ہیں [مسلم: ۷۲۵/۹۷] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی ﷺ جس قدر (خصوصی) اہتمام فجر کی دو سنتوں کا کرتے تھے اتنا کسی اور نفلی نماز کا نہیں کرتے تھے۔ [بخاری: ۱۱۶۹، مسلم: ۷۲۴]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی ﷺ چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں (سنتیں) فجر سے پہلے کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ [بخاری: ۱۱۸۲]

ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو رکعتوں کا خود رسول اللہ ﷺ کتنا زیادہ خیال رکھتے تھے لہذا ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ باقاعدہ اہتمام کے ساتھ فجر کی جماعت سے پہلے دو رکعتیں سنتیں ادا کریں۔ اگر کسی عذر کی بنا پر رہ جائیں تو بعد میں فوراً پڑھ لیں۔

دیگر سنتوں کی فضیلت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۵۲) جو شخص دن اور رات میں بارہ رکعتوں پر مداومت اختیار کرے تو وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا، چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو بعد میں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں اور عشاء کے بعد دو رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں۔

[سنن النسائی: ۱۷۹۵، ابن ماجہ: ۲۱۴، الترمذی: ۴۱۴ وقال: ''غریب'']

فوائد:

یہ فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو ان بارہ (۱۲) رکعتوں کو پابندی سے ادا کرتا ہے نہ کہ نفس کی پیروی کرنے والوں کے لیے جب دل چاہے تو پڑھ لیں اور جب طبیعت پہ گراں گزریں تو ترک کر دیں۔ [اعاذنا اللہ منہم]

(۵۳) سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ کی بیوی کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: جس شخص نے ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار رکعات (سنتوں) پر مواظبت اختیار کی تو اللہ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کردے گا۔ [ابوداوٗد: ۱۲۶۹، نسائی: ۱۸۱۷، ترمذی: ۴۲۷، وقال: ''حدیث حسن صحیح غریب'']

فوائد:

اس حدیث میں ظہر کے فرضوں سے پہلے اور بعد کی سنتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور دعوتِ فکر ہے ایسے حضرات کے لیے جو سنت کی ادائیگی میں ہمیشہ کوتاہی برتتے ہیں اور ''یہ سنت ہے کوئی فرض تو نہیں'' کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

نماز چاشت کی فضیلت:

(۵۴) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے میرے خلیل (نبی ﷺ) نے تین چیزوں کے بارے میں وصیت فرمائی کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھوں اور (نماز) چاشت کی دو رکعتیں پڑھوں اور سونے سے پہلے وتر ادا کروں۔

[بخاری: ۱۱۷۸، مسلم: ۷۲۱]

فوائد:

ہر مہینے میں تین روزے رکھنے سے مراد ایام بیض کے روزے ہیں یعنی قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کے۔ جیسا کہ دوسری روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نماز چاشت بھی بہت فضیلت والا عمل ہے جو اس کے بعد والی حدیث (۵۵) سے واضح ہے اور یہ اس وقت ادا کی جاتی ہے جب دھوپ خوب واضح ہو جائے۔ یاد رہے کہ نماز اشراق، نماز چاشت اور نماز اوابین ایک ہی نماز کے نام ہیں جیسا کہ صحیح مسلم (۷۴۸) کی حدیث سے ثابت ہے۔ نیز دیکھئے فقہ الحدیث (۴۵۲/۱) وتر نماز عشاء کے بعد کسی بھی وقت پڑھا جا سکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ رات کے آخری حصے میں پڑھا جائے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**والایتار قبل النوم إنما یستحب لمن لا یثق بالاستیقاظ آخر اللیل فإن وثق فآخر اللیل أفضل**'' سونے سے پہلے وتر پڑھنا ایسے شخص کے لئے مستحب ہے جو رات کے آخری حصے میں جاگنے کے بارے میں پر اعتماد نہ ہو۔ پس اگر (جاگنے کا) یقین ہو تو رات کے آخری حصے میں (وتر پڑھنا) افضل ہے۔ [ریاض الصالحین: ۱۱۳۹، کتاب الفضائل، باب فضل صلاۃ الضحیٰ، طبع دار السلام]

(۵۵) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر کوئی اس حال میں صبح کرتا ہے کہ ہر جوڑ پر صدقہ ضروری ہوتا ہے۔ پس ہر تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا) صدقہ ہے، ہر تحمید (اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہنا) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور جو چاشت کی دو رکعتیں ادا کرتا ہے اسے ان سب کے مقابلے میں یہی دو رکعتیں کافی ہیں۔

[مسلم: ۷۲۰]

فوائد: یہ حدیث نماز چاشت کی اہمیت وفضیلت کو واضح کر رہی ہے۔

(۵۶) سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے میرے حبیب ﷺ نے تین چیزوں کے بارے میں وصیت کی ہے جب تک جیتا رہا ان کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ ہر مہینے میں تین روزے، چاشت کی نماز اور سونے سے پہلے وتر کی ادائیگی۔ [مسلم:۷۲۲]

فوائد:

اسی مفہوم کی حدیث (۵۴) گزر چکی ہے یہ حدیث بھی نماز چاشت کی اہمیت پر دلالت کناں ہے اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور جذبہ اتباع کس قدر زیادہ ہے۔

بارہ (۱۲) رکعات کی فضیلت:

(۵۷) سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بندہ اللہ کے لیے فرائض کے علاوہ ہر روز بارہ (۱۲) رکعات نوافل ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ [مسلم:۷۲۸]

فوائد: دیکھئے حدیث نمبر ۵۲ اور فوائد

(۵۸) سیدنا نعیم بن ہمار فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم دن کے شروع میں چار رکعات نماز پڑھنے میں غفلت نہ کر میں تجھے (بقیہ) آخر دن تک کافی رہوں گا۔ [ابوداوٗد:۱۲۸۹]

فوائد:

اس حدیث کو حافظ المقدسی رحمہ اللہ نے دوسرے علیحدہ باب ''فضل صلاۃ الضحی'' کے تحت بیان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز چاشت ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کفالت میں آ جاتا ہے۔ مزید دیکھئے حدیث (۵۴، ۵۵) وغیرہ

عصر سے پہلے چار رکعات پڑھنے کی فضیلت:

(۵۹) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ رحم فرمائے اس شخص پر جو عصر سے پہلے چار رکعات (سنتیں) ادا کرتا ہے۔ [ابوداوٗد:۱۲۷۱، ترمذی:۴۳۰ وقال: ''حدیث حسن غریب''

فوائد:

نمازِ عصر سے قبل چار رکعات نماز ادا کرنے والا شخص رسول اللہ ﷺ کی دعا اپنے حصے میں سمیٹتا ہے۔ اور نبی ﷺ کا عمل مبارک بھی تھا کہ آپ عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے۔ دیکھئے سنن ترمذی: ۴۲۹، وقال: ''حدیث حسن''

حافظ زبیر علی زئی

''جماعت المسلمین رجسٹرڈ'' کا ''امام'' اسماء الرجال کی روشنی میں

فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے نمازِ نبوی کے مقدمہ میں نماز کے متعلق لکھی گئی بعض ایسی کتابوں کی نشاندہی فرمائی جن میں ضعیف وموضوع روایات موجود ہیں ان ہی میں سے ایک کتاب جناب مسعود احمد بی ایس سی کی ''صلوۃ المسلمین'' ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مقلدین مسعود ان ضعیف وموضوع روایات سے رجوع کر لیتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے اپنے رسالے مجلۃ المسلمین میں ''صلوۃ المسلمین کی مدلل احادیث پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب'' نامی مضمون شائع کر کے محققین نمازِ نبوی کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ مضمون بذریعہ جناب محمد رضوان صاحب/ لاہور، ہم تک پہنچا اور وضاحت طلب کی۔ درج ذیل مضمون میں استاذِ محترم نے نہ صرف فرقہ مسعودیہ:۲ کے اعتراضات کے مدلل ومکمل جوابات دیئے ہیں بلکہ انتہائی اختصار کے ساتھ مسعود احمد صاحب کے تناقضات بھی بیان کر دیئے ہیں۔ واضح رہے کہ ماہنامہ ''الحدیث'' کی اصطلاح میں فرقہ مسعودیہ:۱ سے مسعود الدین عثمانی اور فرقہ مسعودیہ:۲ سے مسعود احمد بی ایس سی کا گروپ مراد ہے [حافظ ندیم ظہیر]

جناب محمد رضوان صاحب (لاہوری) کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اما بعد:

۱: مسعود احمد بی ایس سی ایک تکفیری خارجی شخص تھا، جس کے مقلدین اُس کی اطاعت کو فرض اور ایمان کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ فرقہ مسعودیہ کے سرکاری مبلغ عبداللطیف تکفیری نے اُس شخص کو ''غیر مسلم'' قرار دیا جو مسعود صاحب کی بیعت نہیں کرتا تھا۔

۲: مسعود صاحب کے مقابلے میں کوئی بھی ایسا اہلِ حدیث عالم نہیں ہے جس کی اطاعت فرض اور ایمان کا مسئلہ ہو۔

۳: راقم الحروف نے مسعود صاحب کی کتاب ''صلوۃ المسلمین'' کے بارے میں ثابت کیا کہ اس میں موضوع روایات کو ''سندہ صحیح'' قرار دیا گیا ہے دیکھئے مقدمۃ التحقیق/نماز نبوی (ص۲۱)

تنبیہ: مقدمۃ التحقیق (ص ۱۸) پر ''امام احمد کی کتاب الصلوۃ'' والا حوالہ میرا لکھا ہوا نہیں ہے، بلکہ دارالسلام کے کسی شخص کا اضافہ ہے جس پر مدیر مکتبہ دارالسلام لاہور نے تحریراً راقم الحروف سے معذرت کی ہے اور یہ معذرت نامہ میرے پاس محفوظ ہے۔

۴: عمرو بن عبید (کذاب) کے بارے میں ''سید سلیمان مسعودی'' صاحب نے لکھا ہے کہ ''اس لیے کہ عمر بن عبید بھی رجال بخاری میں سے ہے'' (مجلۃ المسلمین، اپریل ۲۰۰۳ء ص۳۰)

عرض ہے کہ ہمیں عمرو بن عبید کی ایک روایت بھی صحیح بخاری میں نہیں ملی۔ **کتاب الفتن، باب إذا التقی المسلمان بسیفیھا** (ح۷۰۸۳) میں ایک ''رجل'' کا ذکر آیا ہے ''**عن رجل لم یسمه**''

یہ ''رجل'' کون ہے کسی صحیح سند میں اس کا ذکر نہیں۔

حافظ المزی نے بغیر کسی جزم کے ''فقیل'' کے صیغہ تمریض سے لکھا ہے کہ یہ ''عمرو بن عبید'' ہے جبکہ مغلطائی کا خیال ہے کہ یہ ہشام بن حسان ہے۔اسماعیلی نے (**المستخرج**) **الصحیح** میں لکھا ہے کہ: ''**حدثنا الحسن :حدثنا محمد بن عبید :حدثنا حماد بن زید :حدثنا هشام عن الحسن فذكره**'' (دیکھئے عمدۃ القاری للعینی ج۲۴ص۱۹۲) لہذا یہی قول راجح ہے اور حافظ ابن حجر کا ''**فیه بعد**'' کہنا صحیح نہیں جس کی مفصل تردید عینی نے کر دی ہے۔سنن النسائی کی روایت (۱۲۵/۷ ح ۴۱۲۵) بھی اسی کی مؤید ہے والحمد للہ۔

لہذا عمرو بن عبید کو رجال بخاری میں سے قرار دینا غلط ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر (تقریب:۵۰۷۱) وغیرہ نے اسے رجال بخاری میں ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ، عمرو بن عبید کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''**ترکه یحیی القطان**'' (ص۸۸ت ۲۶۹) اور مطر الوراق سے نقل کرتے ہیں کہ: ''**فاعلم أنه کاذب**'' (پس جان لو کہ وہ (عمرو بن عبید) جھوٹا ہے۔ (ص۸۹ وسندہ صحیح)

[تنبیہ: یہ عمرو بن عبید وہی کذاب ہے جس سے مروی ہے کہ حسن بصری نے فرمایا: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور سلام صرف آخری رکعت میں ہی پھیرا جاتا ہے۔دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۴/۲ ح ۶۸۳۳) وسندہ موضوع، اس روایت کے بارے میں مسعودیوں کا کیا خیال ہے؟]

۵: ''سید سلیمان'' صاحب نے عمرو بن عبید کی تائید میں جو روایات پیش کی ہیں ان کا جائزہ درج ذیل ہے۔

الف: عن معمر عن علي بن زید عن أبي رافع (مصنف عبدالرزاق ۱۱۰/۳ ح ۴۹۶۸)

تبصرہ: علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے (دیکھئے سنن النسائی ۲۹/۷ ح ۳۸۸۱) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔[مسعود احمد صاحب نے کہا: علی بن زید ضعیف ہے/تاریخ مطول ص۴۹، ۵۷ مسعود احمد نے مزید کہا: علی بن زید منکر الحدیث ہے/تاریخ مطول ص۲۲۰]

دوسرے یہ کہ اس روایت میں صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عمل مذکور ہے، تمام صحابہ کا عمل نہیں ہے۔جبکہ مسعود صاحب اس سابق روایت کی مدد سے دعوی کرتے ہیں کہ ''تمام صحابہ کرام اس دعا کو پڑھتے تھے'' (صلوۃ المسلمین ص۳۰۵ طبع پنجم)

ب: ابن جریج أخبرني عطاء أنه سمع عبید بن عمیر یأثر عن عمر إلخ (مصنف عبدالرزاق:۴۹۶۹)

اس روایت کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے اور عمل بھی صرف (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ کا ہے تمام صحابہ کا عمل مذکور نہیں۔

ج: الثوري عن جعفر بن برقان عن میمون بن مهران عن أبي بن کعب إلخ

میمون بن مہران ۵۰ھ میں پیدا ہوئے (تہذیب الکمال ۵۵۵/۱۸) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۳۲ھ یا اس سے پہلے فوت ہوئے (تہذیب الکمال ۲۷۲،۲۷۱/۱)

میمون کی سیدنا ابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، لہذا یہ روایت منقطع ہے۔

سفیان ثوری کے بارے میں اسماء الرجال کے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''وکان یدلس ''اور آپ تدلیس کرتے تھے۔ (الجرح والتعدیل ۴/۲۲۵ وسندہ صحیح)

یہ روایت معنعن ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا متن انتہائی مختصر ہے تیسرے یہ کہ یہ صرف سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے ''تمام صحابہ'' سے نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان شواھد کا عمرو بن عبید کی روایت سے تعلق نہیں ہے۔

۲: چونکہ مسعود احمد ایک تکفیری، خارجی، بدعتی اور گمراہ شخص تھا جس نے ایک فرقے کی بنیاد رکھی، محدثین کے اجماعی مسئلہ تدلیس کا انکار کیا اور اس کے مقلدین اسے مفترض الطاعۃ سمجھتے تھے لہذا راقم الحروف نے علمِ حدیث میں اس کی جہالت واضح کرنے کے لئے اس کی تاریخ الاسلام کا حوالہ دیا کہ جس میں اس نے صحیح مسلم کے راوی اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی کو ''کذاب'' لکھا ہے۔

سید سلیمان صاحب اس راوی کا کذاب ہونا تو ثابت نہ کر سکے بلکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے ایک راوی اسماعیل بن ابی اویس کے بارے میں لکھ دیا کہ: ''کذاب اور وضاع یعنی جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا ہے'' (مجلّہ المسلمین ص ۲۶ مارچ ۲۰۰۳ء)

حالانکہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''**صدوق ،أخطأفي أحاديث من حفظه**'' یہ سچا تھا۔ اس نے حافظے سے (بعض) حدیثیں بیان کیں جس میں اسے خطا لگ گئی (تقریب: ۴۶۰)

[صحیح بخاری کے راوی] کو جھوٹا قرار دینا ''سید سلیمان'' جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

تنبیہ: اسماعیل بن ابی اویس نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**يا أيها الناس إني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً، كتاب الله وسنة نبيه**'' (المستدرک ۱/۹۳ ح ۳۱۸)

اس حدیث کے بارے میں مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

''وسندہ صحیح'' (حدیث بھی کتاب اللہ ہے [ص ۲۰] نیز دیکھئے برھان المسلمین [ص ۲۰۴])

معلوم ہوا کہ مسعودیوں کے نزدیک اپنے تسلیم شدہ کذاب راوی کی روایت ''سندہ صحیح'' ہوتی ہے۔

سید سلیمان صاحب مسعود صاحب کا تو دفاع نہ کر سکے مگر خود دلدل میں پھنس گئے۔

تنبیہ: مسعود صاحب کے یہ دو نمونے بوجہ اختصار و بطور تنبیہ ذکر کئے گئے ہیں ورنہ یہ داستان بڑی طویل ہے۔

☆ یزید بن ابان الرقاشی عن انس بن مالک کی سند سے ایک روایت کے بارے میں مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''یزید بن ابان بے شک ضعیف ہے لیکن حضرت انسؓ سے اس کی روایتیں ٹھیک ہیں.... یعنی متروک نہیں ہے'' (جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۸۰)

اسی یزید کے بارے میں مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:
''یزید الرقاشی اور صالح المری دونوں جھوٹے ہیں'' (تاریخ الاسلام والمسلمین مطول ص ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۱)
یاد رہے کہ یزید بن ابان والی یہ روایت انس بن مالک سے ہے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ۳/ ۲۰۷، ۲۰۸ ح ۳۸۸۷ ب وقال:
''يزيد الرقاشي وصالح المري ضعيفان جداً''
☆لیث (بن ابی سلیم) کے بارے میں مسعودی ارشاد ہے۔
''سند میں لیث ہے جو ضعیف ہے'' (تاریخ مطول ص ۴۴ حاشیہ)
جبکہ اسی لیث کی رفع الیدین فی القنوت والی روایت کے بارے میں مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''سندہ صحیح'' (صلوۃ المسلمین ص ۲۷۵ بعد حاشیہ:۳)
تنبیہ: بعض اہل حدیث علماء سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں مگر کسی نے اپنی اطاعت کو فرض اور ایمان کا مسئلہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہر ذی شعور مسلمان کا حق ہے کہ وہ جملہ افرادِ امت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے اگر موافق ہوں تو سر آنکھوں پر تسلیم کرے ورنہ ترک کر دے (دیکھئے فتاوی علمائے حدیث ج ۱ ص ۶)

نماز نبوی پر اعتراضات کے جوابات

۱۔ ابن ماجہ (ح ۱۱۷۷) والی روایت انقطاع اور ضعف لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اس کے دوسرے شواھد ہیں مثلاً دیکھئے عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (۸۷) لہذا اسے حسن لغیرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ نماز نبوی میں بھی حسن کے بعد (لغیرہ) کا لفظ اسی طرف اشارہ ہے۔
شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ والی روایت کو (شواھد کی وجہ سے) صحیح کہا ہے (سنن ابن ماجہ ص ۲۰۶ الطبع مکتبۃ المعارف)
تنبیہ(۱): راقم الحروف نے اس روایت کو سنن ترمذی (۳۱۴) وسنن ابن ماجہ کی تحقیق میں ''**إسناده ضعيف**'' ہی لکھا ہے نیز دیکھئے میری کتاب ''**أنوار الصحيفة في الأحاديث الضعيفة**'' (ص ۲۸۳)
تنبیہ(۲): قولِ راجح میں حسن لغیرہ روایت ضعیف ہی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم
۲۔ امام ترمذی (۵۱۴ [نماز نبوی میں غلطی سے [۵۱۳] چھپ گیا ہے {ص ۲۵۲} اصلاح کر لیں]) نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں دوران خطبہ گوٹ مار کر (دونوں گھٹنوں کا سہارا لے کر) بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسے ابن خزیمہ (۱۸۱۵) حاکم (۱/ ۲۸۹) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ بغوی اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔
اس روایت کے دو راویوں سھل بن معاذ اور ابو مرحوم عبدالرحیم بن میمون پر ''سید سلیمان'' صاحب نے جرح کی ہے۔
سھل بن معاذ کے بارے میں تقریب میں ہے: ''**لا بأس به إلا في روايات زبان عنه**'' (۲۶۶۷)
عبدالرحیم بن میمون کے بارے میں ہے: ''**صدوق زاهد**'' (۴۰۵۹)

تنبیہ: ابومرحوم عن سھل بن معاذ کی سند سے ایک روایت میں آیا ہے کہ: ''الحمد لله الذي اطعمني هذا ورزقنيه من غير حول مني ولاقوة'' (الترمذی: ۳۴۵۸ وقال ''حسن غریب وابومرحوم اسمہ عبدالرحیم بن میمون'')
یہ دعا مسعود احمد صاحب نے اپنی دو کتابوں میں بطورِ حجت واستدلال لکھی ہے (منہاج المسلمین ص ۴۲۵ اشاعت نمبرا، دعوات المسلمین ص ۷۵)
مسعود صاحب کی ''جماعت المسلمین'' والے فیصلہ کریں کہ ان دوراویوں کی روایت سے استدلال کرنے میں مسعود صاحب حق بجانب ہیں یا ''سید سلمان'' صاحب کی ''تحقیق'' ہی راجح ہے؟

۳۔ عید اور جمعہ اگر اکٹھے ہو جائیں تو عید پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز میں اختیار ہے۔ جو چاہے پڑھے اور جو چاہے نہ پڑھے۔ جس کا ثبوت، ابوداود (۱۰۷۰) ابن ماجہ (۱۳۱۰) وغیرھما کی روایت سے ملتا ہے اور نماز نبوی کے حاشیے میں ذکر کر دیا گیا ہے (ص ۲۵۹:۴) اب جمعہ نہ پڑھنے والا ظہر پڑھے گا یا اُس سے ظہر ساقط ہو جائے گی اس بارے میں اختلاف ہے۔
جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ نماز ظہر پڑھی جائے گی دیکھئے الجوہر النقی (ج ۳ ص ۳۱۸)
محمد بن اسماعیل الصنعانی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے (عون المعبود ۱/۴۱۷)
حافظ عبداللہ روپڑی کی بھی یہی تحقیق ہے (فتاوی اہل حدیث ج ۲ ص ۷۰، ۷۱) ان کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم'' پس انہیں بتادو کہ بے شک اللہ نے دن رات میں (ان پر) پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (البخاری: ۱۳۷۲)
ان پانچ نمازوں میں ظہر کی نماز (وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ/الروم ۱۸) بھی ہے جس کی فرضیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ عیدین کے دن جمعہ کی رخصت والی حدیث سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ نمازِ ظہر کی بھی رخصت ہے۔ کسی روایت میں یہ صراحت نہیں کہ (سیدنا) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ظہر کی نماز اُس دن نہیں پڑھی تھی جس دن عیدین اور جمعہ اکٹھے تھے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤلف نماز نبوی نے مسئلے میں ''یا ظہر'' لکھ دیا ہے۔ اور یہ صراحت بالکل نہیں ہے کہ اصل حدیث میں ''یا ظہر'' کے الفاظ ہیں۔ لہذا یہ کہنا ''احادیث میں زیادتی'' کی گئی ہے غلط ہے۔
تنبیہ: نماز نبوی کے دوسرے ایڈیشن (توزیع مکتبہ بیت السلام) میں یہ عبارت نہیں ملی۔
حدیث: جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس پر جمعہ فرض ہے الخ بلاشبہ بلحاظ سند ضعیف ہے۔

۱۔ ابن لھیعہ حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن لھیعہ کی ایک روایت کے بارے میں (فرقہ مسعودیہ کے امام دوم) محمد اشتیاق صاحب فرماتے ہیں کہ: ''مندرجہ بالا حدیث صحیح ہے'' (تحقیق مزید میں تحقیق کا فقدان ص ۲۷) اور لکھتے ہیں کہ ''جناب مسعود احمد صاحب ابن لھیعہ کو اس وقت ضعیف تسلیم کرتے ہیں جب اس راوی کا روایت کردہ متن صحیح حدیث کے متن کے خلاف ہو'' (ایضاً ص ۲۸)

۲۔ معاذ بن محمد مجہول الحال راوی ہے اس کی توثیق سوائے ابن حبان کے کسی نے نہیں کی ہے۔ دیکھئے میزان

الاعتدال (۱۳۲/۴)

یہ سند بلاشبہ ضعیف ہے لیکن اس کے بہت سے شواھد ہیں دیکھئے ارواء الغلیل (ج ۳ ص ۵۷، ۵۸)

لہذا یہ روایت شواھد کے ساتھ حسن لغیرہ (یعنی ضعیف ہی) ہے۔ اس مسئلے پر اجماع ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

تنبیہ: نماز نبوی میں ابوداود کے حوالے کے ساتھ ارواء الغلیل (۵۶/۳ ح ۵۹۲ واللفظ مرکب) لکھنا چاہیے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۶۔ اپریل ۲۰۰۴ء)

بحرِ تناقضات میں سے مسعود صاحب کے دس تناقضات

فرقہ مسعودیہ کے امام اول: مسعود احمد بی ایس سی (B.Sc) فرماتے ہیں کہ:

''اول تو البانی صاحب کا مشکل ہی سے اعتبار کیا جاسکتا ہے وہ تناقضات کا شکار ہیں اس سلسلہ میں ایک کتاب دو جلدوں میں شائع ہوچکی ہے'' (جماعت المسلمین پر اعتراضات اوران کے جوابات ص ۷۱)

اس مسعودی قاعدہ اور اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے مسعود احمد کے بے شمار تناقضات میں سے دس (۱۰) تناقضات بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں۔

تناقض نمبر ۱: مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''(طبری ۴۵۸/۱۔ یہ شہر بن حوشب کا قول ہے۔ سند میں ایک راوی ابو ہلال محمد بن سلیم ضعیف ہے)''

(تاریخ الاسلام والمسلمین، مطول ج ۱ ص ۲۰۹ حاشیہ: ۳، مطبوعہ ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵ء)

☆ دوسری جگہ مسعود صاحب فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حمید بن ہلالؒ کہتے ہیں: **کان اصحاب النبي صلی الله علیه وسلم اذا صلّوا کان ایدیهم حیال أذانهم کانها المراوح**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب صلوۃ ادا کرتے تو اُن کے ہاتھ کانوں کے برابر ایسا معلوم ہوتے تھے گویا کہ وہ پنکھے ہیں۔ {جزء رفع الیدین للامام البخاری ۱۳ وسندہ حسن}''

(صلوۃ المسلمین ص ۴۵۵، ۴۵۶ مطبوعہ ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء)

جزء رفع الیدین میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''**حدثنا موسی بن إسماعیل ثنا أبو هلال عن حمید بن هلال**'' إلخ (ح: ۳۰، ص ۵۵ بتحقیقی)

ابو ہلال محمد بن سلیم الراسبی البصری: حمید بن ہلال کا شاگرد اور موسیٰ بن اسماعیل کا استاد ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۳۱۸، ۳۱۹)

معلوم ہوا کہ مسعود کے نزدیک باعتراف خود ضعیف راوی کی روایت، عدمِ متابعت وعدمِ شواہد کی صورت میں ''سندہ حسن'' یعنی قابلِ حجت ہوتی ہے۔!

تنبیہ: میرے نزدیک ابو ہلال محمد بن سلیم ضعیف ہے، دیکھئے تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء (ص ۹۸) تاہم صحیح

بخاری وسنن اربعہ میں ابو ہلال کی جتنی مرفوع متصل روایات ہیں وہ شواہد ومتابعات کی وجہ سے صحیح وحسن ہیں۔ جزء رفع الیدین بتحقیقی (ح ۳۰) میں غلطی کی وجہ سے یہ چھپ گیا ہے کہ ابو ہلال: حسن الحدیث ہے (ص ۵۵) اس کی اصلاح کر لیں، تاہم جزء رفع الیدین والی روایت سابقہ شاہد کی وجہ سے حسن ہے۔ والحمدللہ

تناقض نمبر ۲: حجر اسود کے بارے میں ایک روایت ذکر کر کے مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''مسند امام احمد عن ابن عباسؓ ۔۴/۲۸۴۔ سندہ صحیح'' (تاریخ مطول ص ۸۸ حاشیہ: ۲)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے: ''**حدثنا یونس :حدثنا حماد عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس**'' (مسند الامام احمد ۱/۳۰۷ ح ۲۷۹۶ ونسخہ احمد شاکر ۴/۲۸۴ ح ۲۷۹۶)

حماد سے مراد حماد بن سلمہ ہے دیکھئے مسند احمد (۱/۳۰۶ ح ۲۷۹۴) وکتب اسماء الرجال

مسعود صاحب فرماتے ہیں:

''طبری ۲۳۸/۱۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حماد راوی نے اپنے استاد عطاء سے اس کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے سنا تھا (تہذیب التہذیب)'' (تاریخ مطول ص ۱۱۸ حاشیہ: ۲)

☆ دوسری طرف مسعود صاحب ''ارشاد فرماتے'' ہیں کہ:

''(تفسیر ابن کثیر ۴/۱۵ ومسند احمد۔ بلوغ ۱۲/۱۶۸۔ اس کی سند میں ایک راوی ہے عطاء بن السائب جس کا حافظہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے)'' (تاریخ مطول ص ۸۹ حاشیہ: ۱)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''**حدثنا یونس :أخبرنا حماد عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس**''

(مسند احمد ۱/۳۰۶ ح ۲۷۹۵ وبلوغ الامانی ۱۲/۱۶۸ وتفسیر ابن کثیر مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۴/۱۵ وبتحقیق عبدالرزاق المہدی ج ۵ ص ۳۵۲)

یعنی ایک ہی سند (حماد بن سلمہ عن عطاء بن السائب) ایک جگہ ''سندہ صحیح'' ہے اور دوسری جگہ ''ضعیف ہے'' سبحان اللہ! کیا مسعودی انصاف ہے!!

تناقض نمبر ۳: مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مسند احمد۔ سندہ جید قوی۔ بلوغ جزء ۲۰ ص ۱۱۹ والبدایہ جزء ۲ ص ۱۷'' (تاریخ مطول ص ۱۹۷ حاشیہ: ۱)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''**حدثنا قتیبة :حدثنا یعقوب بن عبدالرحمن بن محمد یعني القاري عن عمر بن أبی عمر و عن المطلب عن أبی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال..**''

(مسند احمد ۲/۴۱۹ ح ۹۴۲۲ وبلوغ الامانی ۲۰/۱۱۹ والبدایة والنهایة مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۲/۱۶ [وسندہ مصحف])

☆ دوسری طرف، اسی صفحہ پر ایک دوسری روایت کے بارے میں مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''(تفسیر ابن کثیر میں سند ہے لیکن مطلب کا حضرت ابوھریرۃ سے سننا ثابت نہیں ۳/۳۵۸ لہذا سند منقطع ہے)''

ص ۲۴۷ بحوالہ مسند احمد)

(۲) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں: عمرؓ نے انصار کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو امام بنایا تھا (یہ سنتے ہی تمام) انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ ص ۲۴۷ بحوالہ مسند امام احمد)

ان دونوں روایتوں کی سندیں صحیح ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیعت کر لی تھی''

(الجماعۃ ص ۲۳، ۲۴ مطبوعہ ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء)

پہلی روایت کی سند درج ذیل ہے۔

''حدثنا عفان قال: حدثنا أبو عوانة عن داود بن عبدالله الأودي عن حميد بن عبدالرحمن قال ...'' إلخ (مسند احمد ۱/۵ ح ۱۸ ونسخہ احمد شاکر ۱/۱۶۴ والبدایہ والنہایہ ۵/۲۱۷)

☆ اسی روایت کے بارے میں دوسری جگہ مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ہم وزراء ہوں گے اور آپ امراء (مسند احمد جلد اول ص ۱۶۴) اس کی سند منقطع ہے''

(واقعہ سقیفہ اور افسانہ سقیفہ ص ۹ حاشیہ)

دوسری روایت کی سند درج ذیل ہے۔

''محمد بن إسحاق عن عبدالله بن أبي بكر عن الزهري عن عبيدالله بن عبدالله عن ابن عباس عن عمر'' (البدایہ والنہایہ ۵/۲۱۷ قصۃ سقیفۃ بنی ساعدۃ)

تناقض نمبر ۷: سابقہ تناقض (نمبر ۶) کی دوسری روایت کے بارے میں مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ: ''اس روایت میں عبداللہ بن ابی بکر ضعیف ہے'' (واقعہ سقیفہ اور افسانہ سقیفہ ص ۹ حاشیہ)

تناقض نمبر ۸: مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''عن زیدؓ عن النبی ﷺ اخذ غرفة من الماء فنضح بها فرجه (رواه احمد ' بلوغ) وسنده صحیح۔'' (منہاج المسلمین مطبوعہ ۱۹۹۵ء ص ۱۱۴ حاشیہ: ۳)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''حدثنا حسن: حدثنا ابن لهيعة عن عقيل بن خالد عن ابن شهاب عن عروة عن أسامة بن زيد عن أبيه زيد بن حارثة'' (مسند احمد ۴/۱۶۱ ح ۱۷۶۳۳ وبلوغ الأمانی ۲/۴۰)

یعنی اس سند میں ابن لھیعہ راوی ہے اور مسعود صاحب نے اسے ''سندہ صحیح'' لکھا ہے۔

☆ دوسری طرف مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس روایت میں ابن لہیعہ ضعیف ہیں'' (تاریخ مطول ص ۱۴۶ حاشیہ: ۲)

''لیکن اس کی سند میں ابن صخر ہے جس کا حال نہیں ملتا۔ دوسرا راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔ الغرض یہ روایت بھی باطل ہے'' (تاریخ مطول ص ۱۹۴ حاشیہ)

تناقض نمبر ۹ : مسعود صاحب فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہیں۔ وہ ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی۔ انہوں نے اس حدیث کو عن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ لہذا یہ سند منقطع ہے''

(سجدوں میں رفع یدین ثابت نہیں اشاعت دوم ص۱۰)

☆ دوسری جگہ مسعود صاحب بذاتِ خود لکھتے ہیں کہ:

''حجاج بن ارطاۃ صدوق تھے کذاب نہیں تھے۔ مزید براں مسند احمد میں ان کی تحدیث موجود ہے۔ لہذا اعتراض لایعنی ہے ......الغرض یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' (جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص۶۲، ۶۳)

تناقض نمبر ۱۰ : مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن جریج ہیں جو مدلس ہیں۔ ان کی تدلیس قبیح ہوتی ہے۔ امام زہری سے روایت کرنے والے میں یہ کچھ نہیں''

(سجدوں میں رفع یدین ثابت نہیں ص۱۳)

☆ دوسری جگہ مسعود صاحب ''ارشاد فرماتے'' ہیں:

''مدلس کذاب ہوتا ہے امام ابن جریج کذاب کیسے ہو سکتے ہیں.....لہذا حدیث بالکل صحیح ہے اس میں کوئی غلطی نہیں''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص۶۵)

ان دس مثالوں سے معلوم ہُوا کہ مسعود صاحب بذاتِ خود بے شمار تناقضات و تعارضات کا شکار ہیں لہذا وہ بقولِ خود بے اعتبار ہیں۔

تنبیہ: اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ السدی الکبیر صحیح مسلم و سنن اربعہ کا راوی ہے۔ اور جمہور محدثین نے اس کی توثیق کر رکھی ہے۔ اسماعیل السدی کی صحیح مسلم میں چھ روایات ہیں۔

۱،۲: صلوة المسافرين باب جواز الانصراف من الصلوة عن اليمين والشمال ح۷۰۸
دار السلام :۱۶۴۰، ۱۶۴۱

۳: الطلاق ،باب المطلقة البائن لا نفقة لها ح۱۴۸۰/۵۱ ودار السلام :۳۷۱۶

۴: الحدود، باب تأخير الحد عن النفساء ح۱۷۰۵ و دار السلام:۴۴۵۰

۵: الأشربة باب تحريم تخليل الخمر ح۱۹۸۳ ودار السلام : ۵۱۴۰

۶: فضائل الصحابة ، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ح۲۵۳۶ دار السلام :۶۴۷۸

صحیح مسلم کے اس بنیادی اور اصول کے راوی کو بار بار کذاب کہنا مسعود احمد بی ایس سی جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

وما علينا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الأحکام

سوال وجواب / تخریج الأحادیث

صحیح بخاری کی دو حدیثیں اور ان کا دفاع

فضیلۃ الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

اللہ سے دعا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے اور آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین)
شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ اپنی تحقیق کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر آگاہ فرمائیں۔

(۱)عن أبي هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :قال الله ثلاثة أنا خصمهم یوم القیامة رجل أعطي بي ثم غدر ورجل باع حراً فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعطه أجره۔ (أخرجه البخاري:۳۰۲/۱، واحمد :۳۵۸/۲)

اس حدیث کے ایک راوی **یحییٰ بن سُلیم** کے متعلق موصوف کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا۔(!!)

(۲)عن علی قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یخرج قوم فی آخر الزمان احداث الاسنان سفهاء الاحلام یقولون من خیر قول البریة لا یجاوز ایمانهم حناجرهم یمرقون من الدین کمایمرق السهم من الرمیة فاینما لقیتموهم فاقتلوهم فان فی قتلهم اجراً لمن قتلهم یوم القیامة ۔(بخاری۔کتاب الانبیاء)

شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو منکر کہتے ہیں۔ والسلام [فضل اکبر کاشمیری]

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، أما بعد:

1- اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا: میں تین آدمیوں کا قیامت کے دن دشمن ہوں گا (ایک) وہ آدمی جس نے میرے نام پر عہد و پیمان کیا پھر غداری کرتے ہوئے اسے توڑ دیا (دوسرا) وہ آدمی جس نے کسی آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھالی (تیسرا) وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا لیکن مزدوری نہ دی۔
(صحیح بخاری: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰)

اسے احمد بن حنبل (۳۵۸/۲ ح ۸۶۹۲) ابن الجارود (۵۷۹) ابن ماجہ (۲۴۴۲) اور ابن حبان (الاحسان: ۷۲۹۵) وغیرہم نے یحییٰ بن سُلیم الطائفي عن إسماعیل بن أمیة عن سعید المقبري عن أبي هریرة

رضی الله عنه کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔سعید بن ابی سعید المقبر ی اوران کا والد دونوں ثقہ ہیں۔(تقریب التہذیب: ۲۳۲۱، ۵۶۷۶)اسماعیل بن اُمیہ: ثقہ ثبت ہیں(تقریب :۴۲۵)

یحییٰ بن سلیم الطائفی کے بارے میں جرح وتعدیل کا جائزہ درج ذیل ہے۔

یحییٰ بن سلیم پر جرح

(۱)احمد بن حنبل:و الله إن حديثه يعني فيه شيءٍ، و كأنه لم يحمده ... كا ن قد أتقن حديث ابن خثيم إلخ (۲) اُبوحاتم الرازی:شيخ صالح محله الصدق ولم يكن بالحافظ يكتب حديثه ولا يحتج به (۳) النسائی : لیس بالقوی ...لیس بہ بأس وھومنکر الحدیث عن عبید اللہ بن عمر (۴) ابواحمد الحاکم : لیس بالحافظ عندہم (۵) الدارقطنی :سئ الحفظ (۶) العقیلی : ذکرہ فی کتاب الضعفاء[۴۰۶/۴]ونقل بسند صحیح عن اُحمد قال: وقعت علی بن سلیم وھو یحدث عن عبید اللہ اُحادیث مناکیر فترکتہ ولم اُحمل عنہ إلا حدیثاً (۷) ابن حجر: صدوق سئ الحفظ [وفی تحریر تقریب التہذیب(۷۵۶۳):بل صدوق حسن الحديث ،ضعيف فى روايته عن عبيد الله بن عمر] (۸) الساجی: صدوق یھم فی الحدیث واُخطأ فی اُحادیث رواھا[عن] عبید اللہ بن عمر (تہذیب التہذیب ۱۱/ ۱۹۹) (۹) البیھقی : کثیر الوھم سئ الحفظ [السنن الکبری ۲۵۶/۹] (۱۰) البخاری: یروی اُحادیث عن عبید اللہ یھم فیھا..[العلل الکبیر للترمذی ۵۱۶/۱] رجل صالح صاحب عبادۃ یھم الکثیر فی حدیثہ إلا اُحادیث کان یسأل عنھا... [اُیضاً ۹۷۱/۲]

یحییٰ بن سلیم کی تعدیل

(۱) یحییٰ بن معین قال: ثقۃ [تاریخ ابن معین ،روایۃ الدوری :۲۲۹] (۲) ابن سعد نے کہا :وکان ثقۃ کثیر الحدیث [الطبقات ۵۰۰/۵] (۳) العجلی نے کہا :ثقۃ [الثقات /التاریخ :۱۹۸۰] (۴) ابن شاہین ،ذکرہ فی الثقات [۱۵۹۱] (۵) ابن حبان ،ذکرہ فی الثقات [۶۱۵/۷] ولم یقل شیئاً ونقل المزي عن ابن حبان وقال: یخطئ [تہذیب الکمال ۱۱۷/۲۰] (۶) النسائی قال: لیس بہ بأس إلخ،نسائی نے یحییٰ بن سلیم کی حدیث پر سکوت کیا[ح ۸۷،۱۱۴] اور کہا: ثقۃ [تہذیب الکمال ۱۱۴/۲۰] لعلہ اُرادھذا اُوغیرہ (۷) یعقوب بن سفیان نے کہا: سنی رجل صالح وکتابہ لابأس بہ وإذا حدث من کتابہ فحدیثہ حسن وإذا حدث حفظاً فیعرف وینکر [کتاب المعرفۃ والتاریخ (۵۱/۳)] (۸) البخاري: احتج بہ فی صحیحہ [ح ۲۲۲۷،۲۲۷۰] (۹) مسلم بن الحجاج : احتج بہ فی صحیحہ [۲۲۹۴/۲۸ ودارالسلام :۵۹۷۳] (۱۰) ابن عدی قال: ولیحیی بن سلیم عن إسماعیل بن اُمیۃ وعبید اللہ بن عمر وابن خثیم وسائر مشائخہ اُحادیث صالحۃ وإفرادات وغرائب یتفرد بھا عنھم واُحادیثہ مقاربۃ وھو صدوق لابأس بہ [الکامل ۲۶۷۵/۷ دوسرا نسخہ ۶۴/۹] (۱۱) ابن الجارود: احتج بہ فی صحیحہ[۵۷۹] (۱۲) الساجی: صدوق یھم فی الحدیث إلخ دیکھئے اقوالِ جرح:۸

(۱۳) الذھبی : ثقۃ [الکاشف ۲۲۶/۳ ت ۶۲۹۰] (۱۴) الحاکم : صحح لہ فی المستدرک [۳۰۱/۱ ح ۱۱۲۱] (۱۵) الترمذی:

حسن لہ فی سننہ [ح ۵۴۴] (۱۶) ابن خزیمہ: صحح لہ فی صحیحہ بروایتہ وسکوتہ علیہ [ح ۱۵۰] (۱۷) البوصیری قال فی حدیثہ: ھذا إسناد حسن رجالہ ثقات [ابن ماجہ مع زوائدہ: ۱۴۴] (۱۸) البغوی قال فی حدیثہ: ھذا حدیث صحیح [شرح السنۃ ۸/۲۶۶ ح ۲۱۸۶] (۱۹) الزیلعی قال: فھو ثقۃ [نصب الرایۃ ۴/۲۰۳] (۲۰) وأشار المنذری إلی تقویۃ حدیثہ، انظر الترغیب والترھیب [۳/۲۳ ح ۲۸۰۴ و ۳/۳۳ ح ۲۸۳۷] (۲۱) وأشار الھیثمی إلی تقویۃ حدیثہ، انظر مجمع الزوائد [۳/۲۹۹] (۲۲) الاسماعیلی روی حدیث البخاری فی مستخرجہ، انظر فتح الباری [۴/۴۱۸ ح ۲۲۲۷] (۲۳) ابن حجر، مال إلی تقویتہ، انظر فتح الباری [۴/۴۱۸] (۲۴) عینی حنفی نے یحییٰ بن سلیم کی توثیق نقل کی اور جرح نقل نہیں کی دیکھئے شرح سنن ابی داود [۱/۳۳۱ للعینی] (۲۵) ابن القطان الفاسی نے کہا: ومن ضعفہ لم یأت بحجۃ وھو صدوق عند الجمیع [بیان الوھم والإیھام ۲/۳۵۵ ح ۳۵۳]

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن سلیم الطائفی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہے۔ بعض علماء نے اس پر ''یھم''، ''یخطیٔ''، ''أخطأ'' وغیرہ جرح کی ہے جو کہ حسن الحدیث کے منافی نہیں ہے۔ بعض نے اس پر سیٔ الحفظ، کثیر الخطاء ومنکر الحدیث وغیرہ جرح کی ہے جس کا تعلق یحییٰ بن سلیم کی عن عبیداللہ بن عمر والی روایت سے ہے۔ احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے یحییٰ مذکور کو متقن (یعنی ثقہ) قرار دیا ہے، امام بخاری نے فرمایا: ماحدث الحمیدی عن یحییٰ بن سلیم فھو صحیح یعنی: حمیدی نے جو روایت یحییٰ بن سلیم سے بیان کی ہے وہ صحیح ہے (تہذیب التہذیب ۱۱/۲۲۷)

خلاصۃ التحقیق: یحییٰ بن سلیم الطائفی کی روایات کے چار درجے ہیں۔

۱: وہ جب ابن خثیم سے روایت کرے متقن (ثقہ) ہے۔

۲: اس سے جب (عبداللہ بن الزبیر) الحمیدی روایت کریں تو وہ صحیح الحدیث (ثقہ) ہے۔

۳: عبیداللہ بن عمر اور ابن خثیم کے علاوہ تمام راویوں سے وہ روایت کرے تو حسن الحدیث ہے۔

۴: عبیداللہ بن عمر سے اس کی روایت ضعیف ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی مسئولہ حدیث بلحاظ سند واصولِ حدیث حسن لذاتہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس پر جرح کرنا غلط اور مردود ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا یہ قول بہت عجیب وغریب ہے کہ ''حسن أو قریب منہ'' (ارواء الغلیل ۵/۳۰۸ ح ۱۴۸۹) اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب وہ استنباط ہے جو شیخ البانی رحمہ اللہ نے امام بخاری کے قول: ''ماحدث الحمیدی عن یحییٰ بن سلیم فھو صحیح'' سے نکالا ہے کہ اگر غیر حمیدی اس (یحییٰ بن سلیم) سے روایت کرے تو (امام بخاری کے نزدیک) ضعیف ہے۔ اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔ دلیلِ صریح کے مقابلے میں مفہوم مخالف اور مبہم وغیر واضح دلائل سب مردود ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے یحییٰ بن سلیم سے صحیح بخاری کے اصول میں روایت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہے۔ لہذا امام بخاری کے قول کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ حمیدی کی یحییٰ بن سلیم سے روایت مطلقاً صحیح ہوتی ہے چاہے وہ عبیداللہ بن عمر سے روایت کرے یا نہ کرے

اسی طرح وہ اسماعیل بن امیہ سے امام بخاری کے نزدیک صحیح الحدیث ہے۔ جب دوسروں سے روایت کرے تو حسن الحدیث ہے۔ اس مفہوم و تطبیق سے جمہور محدثین اور امام بخاری کے اقوال کے درمیان تطبیق و توفیق بھی ہو جاتی ہے اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کی حدیث بھی ضعیف نہیں قرار پاتی۔ وھذا ھوالصواب والحمدللہ رب العالمین

تنبیہ: یہ قول کہ '' قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا'' مجھے یحییٰ بن سلیم کے بارے میں کہیں نہیں ملا۔ مختصر صحیح البخاری (۲/ ۳۷۷،۳۷۴) میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں توقف کیا ہے۔!

2- اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

'' آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو نوعمر بے وقوف ہوں گے۔ لوگوں کے اقوال میں سے بہترین قول کہیں گے (یعنی قرآن پڑھیں گے) اُن کا ایمان اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشان سے نکل جاتا ہے۔ پس تم انہیں جہاں پاؤ اُن سے قتال کرو کیونکہ قیامت کے دن اُن کے قتل کا اجر و ثواب ملے گا'' (صحیح البخاری: ۶۹۳۰ ، ۵۰۵۷، ۳۶۱۱ و صحیح مسلم ۱۵۴/ ۱۰۶۶ و دارالسلام: ۲۴۶۲ و سنن ابی داود: ۴۷۶۷ و سنن النسائی ۷/ ۱۱۹ ح ۴۱۰۷)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سوید بن غفلہ، خثیمہ بن عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی اور سلیمان الاعمش سب ثقہ راوی ہیں۔ اعمش نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ لہذا تدلیس کا اعتراض غلط ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داود و سنن النسائی و مسند احمد (۱/ ۸۱ ح ۶۱۶، ۱/ ۱۱۳ ح ۹۱۲) وغیرہ میں ''من خیر قول البریۃ'' ہے۔ یہ جملہ صحیح ہے منکر نہیں ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس جملے والے متن کو ''صحیح'' کہا ہے (صحیح الجامع: ۳۶۵۴)

ارواء الغلیل کی ایک عبارت (۸/ ۱۲۰۔۱۲۳ ح ۲۴۷۰) میں ایک دوسرے لفظ ''من قول خیر البریۃ'' کے منکر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مسئولہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح ہی قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے مختصر صحیح البخاری (۴/ ۲۳۹) والحمدللہ (۳ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ)

سوال: کیا یہ بات صحیح ہے کہ دیوبندیوں کے پیر حاجی امداد اللہ نے اپنی کتاب ''کلیات امدادیہ'' میں خدا بننے کا طریقہ لکھا ہے؟ [فضل اکبر کاشمیری]

الجواب: جی ہاں، حاجی امداد اللہ صاحب ذاکر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''اور اس کے بعد اس کو ہو ہو کے ذکر میں اسقدر منہمک ہو جانا چاہئے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے'' (کلیات امدادیہ، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ص ۱۸) استغفر اللہ

تنبیہ: بریکٹ میں ''(اللہ)'' کا لفظ حاجی امداد اللہ نے خود لکھا ہے۔ حاجی صاحب کا یہ عقیدہ سراسر کفر و شرک ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اور انہوں نے اس کے

لئے اس کے بندوں میں سے حصہ بنا دیا۔ بے شک ایسا انسان کھلا کافر ہے۔ (الزخرف: ۱۵)
جب اللہ کے بندوں کو اس کا جزء قرار دینا بہت بڑا کفر ہے تو یہ عقیدہ رکھنا کہ ''انسان ذکر میں منہمک ہو کر خود مذکور یعنی اللہ ہو جاتا ہے'' بہت ہی بڑا کفر ہے۔ حاجی امداد اللہ کی اس کتاب ''کلیات امدادیہ'' میں اس قسم کی بہت سی کفریہ و شرکیہ عبارات موجود ہیں۔

سوال: اصحابِ رسولؐ جب بھی خطبہ جمعہ کے وقت مسجد میں آتے تھے تو اصحاب رسول دو رکعت پڑھ کر بیٹھتے تھے۔ حدیث سے ثابت کریں۔ (ماسٹر فضل حسین دیوبندی، بذریعہ ثناء اللہ مکی۔ گوجرانوالہ)

الجواب:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: پس دو رکعتیں پڑھو۔
(صحیح البخاری: ۹۳۱ و صحیح مسلم: ۸۷۵)

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خطبے میں فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (جمعہ پڑھنے کے لئے) آئے اور امام (خطبے کے لئے) نکل چکا ہو تو وہ شخص دو رکعتیں پڑھے۔
(صحیح مسلم: ۸۷۵/۵۷ واللفظ لہ و صحیح بخاری: ۱۱۶۶)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے مروان (بن الحکم) خطبہ دے رہا تھا۔ آپ نے چوکیداروں کی مخالفت کے باوجود نماز پڑھی (سنن الترمذی: ۵۱۱ وقال: ''حدیث حسن صحیح'' و مسند الحمیدی: ۷۴۱)
معلوم ہوا کہ صحابہ کرام خطبہ جمعہ کے وقت دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے تھے۔ کسی ایک صحیح روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ خطبہ جمعہ کے وقت کوئی صحابی مسجد میں آیا ہو اور دو رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھ گیا ہو۔ وما علینا إلا البلاغ

نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ کیسے پڑھی گئی؟

سوال: کچھ علمائے کرام کو یہ درس دیتے ہوئے سنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات پر نماز جنازہ ادا کی۔ براہ مہربانی پوری تفصیل سے لکھیں کہ یہ کس طریقہ پر صحابہ کرام نے اللہ کے نبی کی نماز جنازہ ادا کی اور الفاظ کون سے ادا کئے۔ (شیر بہادر خان۔ برمنگھم)

الجواب: سیدنا ابو عسیب یا ابو عسیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
لوگوں نے (نبی ﷺ کی وفات کے بعد) کہا: ہم آپ کا جنازہ کیسے پڑھیں؟ کہا: (حجرے میں) گروہ در گروہ داخل ہو جاؤ، (سیدا ابو عسیب یا ابو عسیم رضی اللہ عنہ نے) کہا: پس وہ لوگ اس دروازے سے داخل ہوتے (اور) آپ کی نماز جنازہ پڑھتے پھر دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے...... الخ

(مسند الإمام أحمد ج ۵ ص ۸۱ ح ۲۱۰۴۷ و إسنادہ صحیح ، الموسوعۃ الحدیثیۃ ج ۳۴ ص ۳۶۵)

نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ پڑھنے والے صحابی کی اس گواہی سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے متعدد جنازے پڑھے تھے۔ یہ روایت طبقات ابن سعد (ج ۲ ص ۲۸۹) میں بھی صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔

بعض الناس کا یہ کہنا کہ لوگوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ صرف درود پڑھا تھا اس کا کوئی حوالہ باسند صحیح مجھے نہیں ملا۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم تکبیر کہو پھر سورہ فاتحہ پڑھو پھر نبی ﷺ پر درود پڑھو، پھر خاص طور پر میت کے لئے دعا کرو، قرأت صرف پہلی تکبیر میں کرو پھر اپنے دل میں (یعنی سراً) دائیں طرف سلام پھیر دو۔

(منتقی ابن الجارود: ۵۴۰ و مصنف عبدالرزاق: ۶۴۲۸ وسندہ صحیح ، الحدیث حضرو: ۳ ص ۲۶)

یہ بات ظاہر ہے کہ جس عمل کو صحابہ کرام سنت سمجھتے تھے وہ اسی پر عامل تھے لہذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ صحابہ نے آپ ﷺ کا مسنون جنازہ نہیں پڑھا بلکہ صرف درود ہی پڑھا تھا وہ صحیح دلیل پیش کرے گا۔ ان مختلف جماعتوں کی نماز جنازہ میں امام کون کون تھے اس کا کوئی ثبوت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سوال: موسم گرما میں مری سوات میں سردی ہوتی ہے۔ دنیا میں ایسے ملک بھی ہیں جہاں چھ ماہ رات اور چھ ماہ دن ہوتا ہے۔ کچھ ملک ایسے بھی ہیں جہاں گرمی پڑتی ہی نہیں (اور کچھ ایسے ہیں جہاں سردی نہیں ہوتی) ان واقعات کی روشنی میں وضاحت کریں کہ چھ ماہ کے بعد جہنم سانس نکالتی ہے اس وجہ سے گرمی پڑتی ہے۔ (ثناء اللہ مکی)

الجواب: جس حدیث میں آیا ہے کہ جہنم سانس باہر نکالتی ہے تو گرمی زیادہ ہو جاتی ہے بالکل صحیح حدیث ہے، اسے امام بخاری (۵۳۷) امام مسلم (۶۱۷) امام مالک (الموطا ۱/۱۶ ح ۲۷) امام شافعی (کتاب الأم ص ۵۸ ح ۱۱۳) اور امام احمد بن حنبل (المسند ۲/۲۳۸ ح ۷۲۴۶) وغیرہم نے متعدد سندوں کے ساتھ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے شواہد صحیفہ ہمام بن منبہ (ح ۱۰۸) وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ گرمی کی شدت کا جہنم میں سے ہونا دیگر صحابہ کرام مثلاً سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ (صحیح البخاری: ۵۳۸) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۵۳۵ و صحیح مسلم: ۶۱۶) اور سیدنا ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ (السنن الکبری للنسائی ۱/۴۶۵ ح ۱۴۹۰) وغیرہم سے مروی ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجاز پر محمول ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث حقیقت پر محمول ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

'' ولکلا القولین وجہ یطول الاعتلال لہ ۔ واللہ الموفق للصواب '' یعنی یہ دونوں اقوال واضح مفہوم رکھتے ہیں جن پر بحث طوالت کا باعث ہے اور اللہ حق (ماننے) کی توفیق دینے والا ہے۔ (التمہید ج ۱۹ ص ۱۱۷)

اگر اس حدیث کا حقیقی معنی مراد لیا جائے تو زمین پر شدید گرمی (جہنم کی) آگ کے تنفس کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی

کیفیت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ باقی رہے وہ علاقے جہاں اس دوران بھی سردی ہوتی ہے تو یہ استثنائی صورتیں اور موانع موجود ہیں۔ مثلاً سخت گرمی کے دوران جب بارش ہو جائے تو موسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے اسی طرح اونچے پہاڑ، گھنے درخت اور برف ان موانع میں سے ہیں جن کی وجہ سے گرمی کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ استثنائی صورتوں کی وجہ سے اصول نہیں بدلتے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا﴾

بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا، ہم اسے آزمانا چاہتے ہیں۔ پس ہم نے اسے سننے والا (اور) دیکھنے والا بنایا ہے۔ (سورۃ الدھر:۲)

حالانکہ بہت سے لوگ بہرے یا اندھے بھی پیدا ہوتے ہیں اور ساری زندگی بہرے یا اندھے ہی رہتے ہیں۔

جس طرح اس آیت کریمہ میں تخصیص اور استثنائی صورت موجود ہے، اسی طرح آگ کے سانس والی حدیث میں استثناء اور تخصیص موجود ہے۔ واللہ اعلم

قیامت کے دن لوگوں کو کس نام سے پکارا جائے گا؟

سوال: کیا قیامت کے دن لوگوں کو اُن کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا؟

تحقیق سے جواب دیں، شکریہ، جزاکم اللہ خیرا (حبیب محمد، بیاڑ)

الجواب: المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' إنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یَدْعُوا النَّاسَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سَتْراً مِنْهُ عَلَی عِبَادِهٖ ''

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن اُن کی ماؤں (کے نام) سے پکارے گا تاکہ اس کے بندوں کی پردہ پوشی رہے۔ (اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ۲/۴۴۹ نقلہ عن الطبرانی)

یہ روایت المعجم الکبیر (۱۱/۱۲۲ ح ۱۱۲۴۲) وتفسیر ابن کثیر (۸/۴۳ دوسرا نسخہ ۴/۳۳۱ بحوالہ الطبرانی) ومجمع الزوائد (۱۰/۳۵۹ بحوالہ طبرانی) میں '' بأسمائهم '' کے لفظ سے ہے یعنی لوگوں کو اُن کے ناموں سے پکارا جائے گا۔

''بأسمائهم'' ہو یا '' بأمهاتهم '' روایت ایک ہی ہے اور اس کا راوی ابو حذیفہ اسحاق بن بشر متروک ہے۔

(دیکھئے مجمع الزوائد ۱۰/۳۵۹ ومیزان الاعتدال ۱/۱۸۴۔۱۸۶ ولسان المیزان ۱/۳۵۴۔۳۵۵)

امام دارقطنی نے کہا: کذاب متروك (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۹۲) حافظ ابن حبان نے کہا: كان يضع الحديث على الثقات (المجروحین ۱/۱۳۵)

محمد بن عمر الدراجردی النیسابوری (؟) نے اسحاق بن بشر کو ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۸/۱۳۱)

مجہول الحال شخص کی یہ توثیق محدثین کرام کی شدید جروح کے مقابلے میں سرے سے مردود ہے۔حافظ ذہبی نے اس توثیق کو نا قابلِ التفات یعنی مردود قرار دیا ہے، دیکھئے میزان الاعتدال (۱/۱۸۵)

نتیجہ: یہ روایت اسحاق بن بشر کذاب کی وجہ سے موضوع ہے۔سیوطی نے ایک دوسری روایت بحوالہ ابن عدی لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یُدْعَی النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سَتْراً مِّنَ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ''

لوگوں کو قیامت کے دن اُن کی ماؤں (کے نام) سے پکارا جائے گا، اللہ ان پر پردہ ڈالے گا۔

(اللآلی المصنوعة ۲/۴۴۹، الکامل لابن عدی ۱/۳۳۶ دوسرا نسخہ ۱/۵۵۸)

اس روایت کا راوی اسحاق بن ابراہیم الطبری منکر الحدیث ہے۔

(الکامل لابن عدی ۱/۵۵۸ و کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی: ۹۸)

ابن حبان نے کہا: ''منکر الحديث جداً ، يأتي على الثقات الاشياء الموضوعات لايحل كتابة حديثه إلا على جهة التعجب'' (المجروحین ۱/۱۳۸)

حاکم نیسابوری نے کہا: ''روى عن مالك و ابن عيينة و الفضيل بن عياض وعبدالله بن الوليد العدني أحاديث موضوعة'' (المدخل الی الصحیح ص۱۱۹)

معلوم ہوا کہ یہ سند اسحاق بن ابراہیم الطبری کی وجہ سے موضوع ہے۔ان موضوع روایتوں کے مقابلے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ الْغَادِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ''

قیامت کے دن غداری کرنے والے کے لئے جھنڈا نصب کیا جائے گا۔کہا جائے گا کہ یہ فلاں (مرد) کے بیٹے فلاں کی غداری ہے۔(البخاری، کتاب الأدب باب مایدعی الناس بآبائهم ح ۶۱۷۷)

معلوم ہوا کہ قیامت کے دن لوگوں کو اُن کے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔

وما علينا إلا البلاغ (۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

اصحابِ کھف کا کتا

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محترم حافظ زبیر علی زئی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ان شاء اللہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے، ماہنامہ ''الحدیث'' پابندی سے پڑھ رہے رہیں، ماشاء اللہ، بہت علمی اور مفید رسالہ ہے اشاعتِ قرآن وحدیث اور ردِّ شرک وبدعات میں شمشیر براں ہے، مقلدین متعصبین کے بودے دلائل کی تردید میں بے مثال ہے، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

محترم ایک مسئلے کی تحقیق مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ بعض مولوی حضرات بڑے زور وشور اور جوشِ خطابت کے نشے

میں سرشار ہوکر یہ فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف کا کتا بھی اپنی وفاداری کے سبب جنت میں جائے گا، جب کہ کتا نجس العین ہے اور جنت پاکیزہ مقام ہے جو اللہ کے مقربین کے لئے مخصوص ہے اس میں حرام اور نجس جانور کے دخول کا کیا تک بنتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

العبد الفقير إلى الله علی حسین شاہ ''

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

أما بعد: بعض الناس کا یہ قول کہ ''اصحاب کہف کا کتا جنت میں داخل ہوگا'' اس کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے۔ جو شخص اس پر بضد ہے کہ یہ کتا ضرور جنت میں جائے گا اس سے دلیل طلب کریں اور مجھے لکھ کر بھیج دیں۔

محمد بن موسیٰ الدمیری (۷۴۲ھ تا ۸۰۸ھ) نے بغیر کسی سند کے خالد بن معدان سے نقل کیا ہے کہ جنت میں تین جانوروں کے علاوہ اور کوئی جانور نہیں جائے گا، اصحابِ کہف کا کتا، عزیر علیہ السلام کا گدھا اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔

(حیوۃ الحیوان ج۲ ص۲۶۲)

یہ بے سند وبے حوالہ قول ہے۔

امداد اللہ انور دیوبندی نے ابن نجیم حنفی (متوفی ۹۷۱ھ) اور المستطرف (غیر مستند فضول کتاب) کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنت میں پانچ جانور جائیں گے۔ اصحابِ کہف کا کتا، اسماعیل علیہ السلام کا دنبہ، صالح علیہ السلام کی اونٹنی، عزیر علیہ السلام کا گدھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی براق۔ (جنت کے حسین مناظر ص 531)

امداد اللہ دیوبندی نے حموی شرح الاشباہ والنظائر وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قتادہ (تابعی) کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کی گائے، یونس علیہ السلام کی مچھلی، سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی اور بلقیس کا ہدہد۔

(جنت کے حسین مناظر ص 532,531)

اسی متروک دیوبندی نے سیوطی سے نقل کیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا بھیڑیا بھی جنت میں جائے گا (ایضاً ص 532)

یہ سب بے سند اور بے اصل حوالے ہیں جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

خلاصة التحقيق: اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اصحابِ کہف کا کتا جنت میں جائے گا۔

وما علينا إلا البلاغ (۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

اعلان

ان شاء اللہ اگلے شمارے میں قاضی ابو یوسف کے بارے میں تحقیقی مضمون ''قاضی ابو یوسف جرح وتعدیل کی میزان میں'' شائع کیا جا رہا ہے۔ [حافظ ندیم ظہیر]

حافظ زبیر علی زئی

نصب العماد

في تحقيق: الحسن بن زياد

راقم الحروف نے محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کے بارے میں ایک تحقیقی مضمون " **النصر الرباني في ترجمة محمد بن الحسن الشيباني** " لکھا تھا (۲٦ جون ۲۰۰۴ء) جو کہ الحدیث: ۷ (ص ۱۱ تا ۲۰) میں شائع ہوا تھا (ج ۱ شمارہ: ۷، دسمبر ۲۰۰۴ء) اس مضمون میں یہ ثابت کیا تھا کہ محمد بن الحسن الشیبانی: کذاب، ضعیف اور مردود الروایت ہے، اس سے منسوب کتابیں باسند صحیح و حسن ثابت نہیں ہیں۔ مضمون کے اختتام پر یہ لکھا تھا کہ: " آخر میں دیوبندی و بریلوی و حنفی حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ وہ غصہ تھوکتے ہوئے، اصولِ حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اپنے صاحبین والے "امام" محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کریں اور اس سے منسوب کتابوں کی اس تک اصل اسانید پیش کر کے ان اسانید کو ثابت کریں، اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے تو شکریہ کے ساتھ اسے قبول کر کے " الحدیث" میں شائع کر دیا جائے گا، **وما علينا إلا البلاغ**" (الحدیث: ۷ ص ۲۰)

مگر تادمِ تحریر (۲۵ ربیع الاول ۱۴۲٦ھ / ۵ مئی ۲۰۰۵ء) اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اب حسن بن زیاد اللؤلؤی (حنفی فقیہ) کے حالات بلحاظِ جرح و تعدیل پیشِ خدمت ہیں۔ سب سے پہلے لسان المیزان میں سے حسن بن زیاد کا تذکرہ نقل کر کے اس کا ترجمہ و تحقیق قلم بند کی ہے، اور بعد میں دیگر فوائد کا استدراک کیا ہے۔ اس تمام تحقیق میں اصولِ حدیث اور اصولِ جرح و تعدیل کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ ثابت اور غیر ثابت، دونوں کو واضح کر دیا گیا ہے تا کہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا ﴾ اور جب بات کرو تو عدل و انصاف (سے بات) کرو۔

[سورۃ الانعام: ۱۵۲]

اس مضمون میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ حسن بن زیاد لؤلؤی کذاب خبیث اور غلط حرکات کا مرتکب ایک ساقط العدالت فقیہ تھا۔ کوثری پارٹی (محمد زاہد کوثری اور ذریتِ کوثری) دن رات، جھوٹ کو سچ اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے کی کوشش میں مگن ہے۔ جلیل القدر محدثین کرام کی گواہیوں کے مقابلے میں ان لوگوں کا حسن بن زیاد مذکور کو ثقہ و موثق ثابت کرنے کی کوشش باطل ہے۔ سب سے پہلے لسان المیزان کی عبارت مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

" الحسن بن زياد اللؤلؤي الكوفي عن ابن جريج وغيره ، وتفقه على أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ روى أحمد بن أبي مريم و عباس الدوري عن يحيى بن معين :كذا ب، وقال محمد بن عبدالله ابن نمير : يكذب على ابن جريج ، وكذا كذبه أبو داؤد فقال:كذاب غير ثقة "

حسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفی،ابن جریج وغیرہ سے(اس نے روایت کی ہے)اورابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے فقہ سیکھی ہے۔(۱)

احمد(بن سعد بن الحکم)ابن ابی مریم (۲) اورعباس(بن محمد)الدوری (۳) نے(حسن بن زیاد کے بارے میں)یحیی بن معین سے نقل کیا کہ:کذاب ہے۔محمد عبداللہ بن نمیر نے کہا:وہ ابن جریج پر جھوٹ بولتا ہے (۴) اوراسی طرح اسے ابوداوٗد(سلیمان بن اشعث،صاحب السنن)نے جھوٹا قراردیااورفرمایا:وہ کذاب غیرثقہ ہے۔(۵)

(لسان المیز ان۲/۲۰۸)

" وقال ابن المديني :لا يكتب حديثه وقال أبو حاتم :ليس بثقة ولا مأمون وقال الدارقطنى :ضعيف متروك وقال محمد بن حميد الرازي :مارأيت أسوأصلوة منه "

(علی بن عبداللہ بن جعفر،عرف)ابن المدینی نے کہا:اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی (۶) اورابوحاتم (الرازی) نے کہا:وہ نہ ثقہ ہےاورنہ مامون(امین،قابلِ اعتماد)ہے۔(۷)

---

(۱)حسن بن زیاد نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ سیکھی/اس کی صحیح متصل دلیل معلوم نہیں ہے۔واللہ اعلم

(۲) صحیح/الکامل لابن عدی(۲/۷۳۱ت۴۵۰)لفظ"كذوب ليس بشيئ " وسندہ صحیح

(۳) صحیح/تاریخ ابن معین (روایۃ عباس الدوری:۱۷۶۵)وضعفہ فی بعض الروایات (انظر الضعفاء للعقیلی ۱/۲۲۷وسندہ حسن وتاریخ بغداد ۷/۳۱۶وسندہ حسن ولاتناقض فی الأقوال

(۴)ضعیف/الکامل(۲/۷۳۱)وسندہ ضعیف،اس میں ابن سعید(یعنی ابن عقدہ)راوی ضعیف ہے دیکھئے سوالات حمزہ السہمی (۱۶۶)والکامل(۱/۲۰۹)و تاریخ بغداد(۲/۲۳۷)ولسان المیز ان (۱/۲۶۳۔۲۶۶)والتنکیل للمعلمی الیمانی (۱/۴۶۱ ت ۲۱۹)ومقدمۃ مسائل محمد بن عثمان بن ابی شیبہ(بتحقیقی ص ۱۵،۱۴)

(۵)ضعیف/تاریخ بغداد(۷/۳۱۷ت ۳۸۲۷)بلفظ" كذاب غير ثقة ولا مأمون "وسندہ ضعیف،اس کا راوی ابوعبید محمد بن علی الآجری غیر موثق و مجہول الحال ہے۔دیکھئے مقدمۃ سوالات الآجری(ص۴۱)اورمیری کتاب:القول المتین فی الجہر بالتامین(ص۲۰،۲۱)

(۶)ضعیف/تاریخ بغداد(۷/۳۱۶)بلفظ" أسد بن عمرو والحسن بن زياد اللؤلؤي لا يكتب حديثهما"وسندہ ضعیف،اس کے راوی عبداللہ بن علی بن عبداللہ المدینی کی توثیق نامعلوم ہے دیکھئے تاریخ بغداد(۱۰،۹،۱۰ات ۵۱۱۹)وسوالات حمزہ السہمی للدارقطنی وغیرہ(۳۲۳)بلکہ امام دارقطنی کا ایک قول اس راوی کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔(دیکھئے سوالات السہمی:۳۸۷)

(۷)صحیح/الجرح والتعدیل(۳/۱۵) بلفظ" ضعيف الحديث ليس بثقةولا مأمون" اوریہی قول علل الحدیث لابن ابی حاتم(۲/۴۳۲ح ۲۸۰۶)میں موجود ہے۔

دارقطنی نے کہا:ضعیف متروک ہے (۱) محمد بن حمید الرازی (۲) نے کہا:میں نے اس سے زیادہ،غلط طریقے پرنماز پڑھنے والا کوئی

نہیں دیکھا[۳] (لسان المیزان ۲/۲۰۸)

" البويطي: سمعت الشافعي يقول: قال لي الفضل بن الربيع: أنا أشتهي مناظر تك و اللؤلؤي: ف قلت [إنه] ليس هناك، فقال: أنا أشتهي ذلك، قال: فأحضرنا و أتينا بطعام فأكلنا، فقال رجل معي له: ما تقول في رجل قهقه فى الصلوة؟ قال: بطلت صلا ته، قال: فطهارته؟ قال: وطهارته، قال: فما تقول فى رجل قذف محصنة فى الصلوة؟ قال: بطلت صلاته، قال: وطهارته؟ قال: بحالها، فقال له: قذف المحصنات أيسر من الضحك فى الصلوة؟ قال: فأخذ اللؤلؤى نعليه وقام، فقلت للفضل: قد قلت لك إنه ليس هناك "

بویطی[۴] سے روایت ہے کہ میں نے (امام محمد بن ادریس) الشافعی[۵] سے سنا، انہوں نے فرمایا: مجھے (وزیر) فضل بن ربیع[۶] نے کہا: میں آپ کا لؤلؤی سے مناظرہ کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: وہ نہیں کرسکتا۔ اس نے کہا: میں کرانا چاہتا ہوں۔ پس اس نے ہمیں اکٹھا کیا اور کھانا لایا گیا تو ہم نے کھایا۔ میرے ایک ساتھی نے اس (لؤلؤی) سے کہا: جو شخص نماز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: نماز باطل ہوگئی۔ اس آدمی نے کہا: اور وضوء؟ لؤلؤی نے کہا: وضوء بھی ٹوٹ گیا۔ اس آدمی نے پوچھا: آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو نماز میں کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے؟ اس نے کہا: نماز فاسد ہوگئی، ☆ اس نے پوچھا: اور وضوء؟ لؤلؤی نے کہا: وضوء برقرار ہے۔ تو وہ آدمی بولا: آپ کے نزدیک نماز میں پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا نماز میں ہنسنے

---

(۱) صحیح / تاریخ بغداد (۷/۳۱۷) بلفظ "**كذاب كوفي متروك الحديث**" وسندہ صحیح، وسوالات البرقانی (۸۸) بلفظ "**وذكره الدارقطنى فى كتاب الضعفاء والمتروكين**" (۱۸۷)

تنبیہ: "ضعیف" والاقول باسند صحیح نہیں ملا۔ کذاب متروک والاقول صحیح ہے۔

(۲) حافظ ضعیف وکان ابن معین حسن الرأی فیہ (تقریب التہذیب: ۵۸۳۴) یہ الرازی سخت مجروح راوی ہے، دیکھئے تہذیب التہذیب (۹/۱۲۷۔۱۳۱) وغیرہ،

(۳) ضعیف / الکامل (۲/۷۳۱) وسندہ ضعیف، اس کا راوی احمد بن حفص السعدی ضعیف ہے۔ دیکھئے الکامل (۱/۲۰۲، ۲۰۳) ولسان المیزان (۱/۱۶۲، ۱۶۳)

(۴) یوسف بن یحیی القرشی۔۔صاحب الشافعي ثقة فقيه من أهل السنة (التقریب: ۷۸۹۲)

(۵) فقیہ البدن صدوق اللسان، قالہ أبوحاتم الرازي (آداب الشافعي ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۶۶ وسندہ صحیح)

(۶) حاجب (أمير المؤمنين) ہارون الرشید (تاریخ بغداد ۱۲/۳۴۳ ت ۶۷۸۵)

☆ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ نماز میں ہنسنے کی وجہ سے دوبارہ وضوء کرنے کے قائل نہیں تھے۔ (سنن دارقطنی ۱/۱۷۴ ح ۶۵۰ وسندہ صحیح) یہی تحقیق عطاء بن ابی رباح (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۸۷ ح ۳۹۱۳ وسندہ صحیح) عروہ بن الزبیر (ابن ابی شیبہ ح ۳۹۱۲ وسندہ صحیح) محمد بن مسلم الزہری (مصنف عبدالرزاق ۲/۳۷۷ ح ۳۷۶۵ وسندہ صحیح) اور قاسم بن محمد (عبدالرزاق: ۳۷۶۹ وسندہ صحیح) کی ہے۔ یادرہے کہ نماز میں ہنسنے سے نماز بالاجماع ٹوٹ جاتی ہے۔ (الاجماع لابن المنذر ص ۳۲ رقم: ۶)

سے کم تر ہے؟ تو لؤلؤی اپنے جوتے لے کر اٹھ کھڑا ہوا (اور بھاگ گیا) میں نے فضل سے کہا: میں نے آپ کو پہلے کہا تھا کہ اس کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ وہ مناظرہ کر سکے[1] (لسان المیزان ۲/۲۰۸)

"وقال محمد بن رافع النیسا بوری : کان الحسن بن زیاد یرفع رأسه قبل الإمام ویسجد قبله ، مات سنةأربع وما ئتین وکان رأساً فی الفقه ، انتھی

وقال النضر بن شمیل لرجل کتب کتب الحسن بن زیاد :لقد جلبت إلی بلدك شراً"

محمد بن رافع النیسابوری[2] نے کہا: حسن بن زیاد (نماز میں) امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا[3] وہ دوسو چار (۲۰۴ھ) میں فوت ہوا اور (حنفی) فقہ میں سردار تھا[4] انتھی[5] نضر بن شمیل نے ایک آدمی سے کہا، جس نے حسن بن زیاد کی کتابیں لکھی تھیں: تو اپنے علاقے کی طرف شر لے گیا ہے[6] (لسان المیزان ۲/۲۰۹)

" وقال جزرة :لیس بشيً ، لا هو محمود عند أصحابنا ولا عندهم یعنی أصحابه ، قیل له :بأي شئ تتهمه؟ قال:بداء سوء ولیس هو فی الحدیث بشيً،

وقال أبو داود :عن الحسن بن علي الحلواني :رأیت اللؤلؤی قبّل غلاماً وهو ساجد،

وقال أبو داود ما تقدم وزاد :ولا مأمون ، وقال أبو ثور :ما رأیت أکذب من اللؤلؤي ، کان علی طرف لسانه :ابن جریج عن عطاء "

اور (صالح بن محمد البغدادی) جزرہ[7] نے کہا: وہ کچھ چیز نہیں ہے، نہ ہمارے ساتھیوں کے نزدیک اچھا ہے اور نہ اپنے ساتھیوں کے نزدیک اچھا ہے ۔ پوچھا گیا کہ آپ اسے کس چیز میں متہم سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: بری بیماری کے

---

(۱) صحیح رالکامل (۲/۷۳۱) وعنه البیہقی فی مناقب الشافعي (۱/۲۱۸، ۲۱۹) ابوجعفر محمد بن زاہر بن حرب بن شداد النسائی کے بارے میں ابوحاتم الرازی نے کہا: ولم یکن به بأس (الجرح والتعدیل ۷/۲۶۰)

دوسری سند (آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۱۲۸، اس میں ابومحمد السجستانی کی توثیق نامعلوم ہے، تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۴/۲۹۹ عن ابن ابی حاتم وعندہ ابوالحسن السجستانی!؟) تیسری سند (مناقب الشافعی للبیہقی ۱/۲۱۷، ۲۱۸، اس میں ابوسلیمان نامعلوم ہے)

(۲) ثقة عابد (تقریب التہذیب: ۵۸۷۶)

(۳) صحیح رکتاب الضعفاء للعقیلی (۱/۲۲۷، ۲۲۸ ت ۲۷۶) وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ لوکیع بن خلف (۳/۱۸۹)

(۴) ہم ایسی فقہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جس میں امام سے پہلے سجدہ کیا جائے اور امام سے پہلے سر اٹھایا جائے۔ نماز کی حالت میں لڑکوں کے بوسے لئے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " أما یخشی الذي یرفع رأسه قبل الإمام أن یحول الله رأسه حمار؟" جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا اسے اس کا ڈر نہیں کہ اللہ اس کا سر گدھے کا سر بنادے؟ (صحیح مسلم: ۴۲۷ واللفظ لہ وصحیح البخاری: ۶۹۱)

(۵) یہاں تک میزان الاعتدال (۱/۴۹۱ ت ۱۸۴۹) کی عبارت ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔

(۶) ضعیف رتاریخ بغداد (۷/۳۱۵) وسندہ ضعیف

اس میں عمر بن العباس القزوینی (تاریخ بغداد ۱۱/۲۹۱) غیر موثق ہے اور احمد بن محمد الذہبی البلخی نامعلوم ہے۔

(۷) وکان صدوقاً ثبتاً أمیناً إلخ (تاریخ بغداد ۹/۳۲۳ ت ۴۸۶۲)

ساتھ(۱) اور وہ حدیث میں کچھ چیز نہیں ہے(۲) ابوداؤد نے حسن بن علی الحلوانی(۳) سے نقل کیا کہ: میں نے دیکھا، لؤلؤی نے سجدے کی حالت میں ایک لڑکے کا بوسہ لیا تھا(۴)

ابوداؤد کا قول پہلے (شروع میں) گزر چکا ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ: ولا مأمون(۵)

ابوثور (ابراہیم بن خالد) نے کہا: میں نے لؤلؤی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا۔ ابن جریج عن عطاء والی سند اس کی زبان پر (ہر وقت) جاری تھی(۶) (لسان المیزان ۲/۲۰۹)

" وقال أحمد بن سليمان الرهاوي :رأيته يوماً في الصلوة وغلام أمرد إلى جانبه في الصف فلما سجدوا مديده إلى خد الغلام فقرصه ففارقته ، فلا أحدث عنه ، وقيل ليزيد بن هارون :ما تقول في اللؤلؤي ؟ فقال :أومسلم هو ؟ وقال يعلى بن عبيد :اتق اللؤلؤي

وقال ابن أبي شيبة :كان أبو أسامة يسميه الخبيث"

احمد بن سلیمان الرہاوی(۷) نے کہا: میں نے ایک دن اسے نماز میں دیکھا۔ اس کے ساتھ صف میں ایک بغیر ڈاڑھی مونچھ کے لڑکا تھا۔ جب وہ سجدہ کرتے تو یہ اپنا ہاتھ لمبا کر کے لڑکے کی رخسار پر چٹکی بھرتا۔ پس میں نے اسے چھوڑ دیا میں اس سے حدیث بیان نہیں کرتا(۸) یزید بن ہارون(۹) سے کہا گیا: آپ کا لؤلؤی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کیا وہ مسلمان ہے؟(۱۰)

یعلی بن عبید(۱۱) نے کہا: لؤلؤی سے بچو(۱۲)

(ابوبکر) ابن ابی شیبہ نے کہا: ابواسامہ اسے خبیث کہتے تھے(۱۳) (لسان المیزان ۲/۲۰۹)

---

(۱) یعنی قومِ لوط کی حرکات والی بیماری۔

(۲) ضعیف / تاریخ بغداد (۷/۳۱۵) اس میں ابوالعلاء، محمد بن علی الواسطی ضعیف ہے، دیکھئے تاریخ بغداد (۳/۹۵۔۹۹ ت ۱۰۹۴) ومیزان الاعتدال (۳/۶۵۴) ولسان المیزان (۵/۲۹۶، ۲۹۷)

(۳) ثقۃ، حافظ لہ تصانیف (التقریب: ۱۲۶۲)

(۴) صحیح / تاریخ بغداد (۷/۳۱۶ وعندہ الحسن بن زیاد الحلوانی وھو خطأ مطبعي) وسندہ صحیح

(۵) دیکھئے ص ۳۱

(۶) ضعیف / تاریخ بغداد (۷/۳۱۷) وسندہ ضعیف، ابوعبید الآجری مجہول الحال ہے۔

(۷) ثقۃ حافظ (تقریب التہذیب: ۴۳)

(۸) ضعیف/ الکامل (۲/ ۷۳۱) وسندہ ضعیف، اس میں ابن حماد الدولابی ضعیف ہے اور ابراہیم بن الاصبغ نامعلوم التوثیق ہے۔
(۹) ثقۃ متقن عابد (تقریب التہذیب:۷۷۸۹)

" وقال يعقوب بن سفيان والعقيلي والساجي: كذاب ، وقال النسائي :ليس بثقة ولا مأمون ،

قلت: ومع ذلك كله فأخر ج له أبو عوانة في مستخرجه والحاكم في مستدركه وقال مسلمة ابن قاسم :

كان ثقة رحمه الله تعالىٰ "

یعقوب بن سفیان (۱) عقیلی (۲) اور الساجی (۳) نے کہا: کذاب ہے۔ اور نسائی نے کہا: نہ وہ ثقہ ہے اور نہ مامون ہے۔ (۴) میں کہتا ہوں (۵) ان تمام (جروح) کے باوجود ابوعوانہ نے اس سے مستخرج (۶) میں اور حاکم نے مستدرک (۷) میں روایت لی ہے اور مسلمہ بن قاسم (۸) نے کہا: وہ ثقہ تھا رحمہ اللہ تعالیٰ

(لسان المیزان ۲/ ۲۰۸، ۲۰۹ ت ۲۴۷۰، ختم شد)

---

(۱) صحیح/ کتاب المعرفۃ والتاریخ (۳/ ۵۶) وقال: "الحسن اللؤلؤي كذاب"
(۲) یہ حوالہ نہیں ملا، تاہم عقیلی نے اسے اپنی کتاب الضعفاء (۱/ ۲۲۷) میں ذکر کیا ہے۔
(۳) یہ حوالہ نہیں ملا۔
(۴) کتاب الضعفاء والمتروکین (۱۵۶) وقال النسائی فی الطبقات (ص ۲۶۶ دوسرا نسخہ ص ۳۱۰) " والحسن بن زیاد اللؤلؤی کذاب خبیث " نیز دیکھئے الحدیث: ۷ ص ۱۱
(۵) یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ
(۶) اگر مستخرج ابوعوانہ میں جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی کی روایت ہو تو اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے۔ حافظ ذہبی ایک راوی عبداللہ بن محمد البلوی کے بارے میں لکھتے ہیں: " روى عنه أبو عوانة فى صحيحه فى الاسستقاء خبراً موضوعاً " (میزان الاعتدال ۲/ ۴۹۱ ولسان المیزان ۳/ ۳۳۸)
(۷) اگر مستدرک میں جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی کی روایت ہو تو یہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے۔
عاصم بن سلیمان الکوزی کی روایت مستدرک (۳/ ۵۸۹ ح ۶۴۹۲) میں ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: " عاصم کذاب " نیز دیکھئے لسان المیزان (۳/ ۲۱۸، ۲۱۹)
(۸) مسلمہ بن قاسم بذات خود ضعیف ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۴/ ۱۱۲) ولسان المیزان (۶/ ۳۵)

سابقہ صفحات پر جروح کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ درج ذیل محدثین نے حسن بن زیاد پر جرح کی ہے۔
(۱) ابن معین (۲) ابوحاتم الرازی (۳) دارقطنی (۴) الشافعی (۵) محمد بن رافع النیسابوری (۶) الحسن بن علی الحلوانی (۷) یزید

بن ہارون (۸) یعلی بن عبید (۹) یعقوب بن سفیان (۱۰) العقیلی (۱۱) النسائی (رحمہم اللہ اجمعین)
ان جمہور کے مقابلے میں اگر ابوعوانہ و حاکم کی توثیق مل جاتی تو بھی مردود تھی۔ یاد رہے کہ درج بالا محدثین میں سے ابن معین، نسائی اور یعقوب بن سفیان اور الفارسی وغیرہم کی جرح بہت شدید ہے۔
اب کچھ مزید حوالے پیشِ خدمت ہیں۔
(۱۲) اسحاق بن اسماعیل الطالقانی (ثقہ عند الجمہور) نے کہا: ہم (امام) وکیع (بن الجراح) کے پاس تھے کہ کہا گیا: بے شک (آج کل) سنت قحط میں (اور کمزور) ہے! تو انہوں نے فرمایا: کیوں نہ قحط میں ہو، حسن اللؤلؤی اور حماد بن ابی حنیفہ جو قاضی بنے بیٹھے ہیں! (کتاب الضعفاء للعقیلی ۱/۲۲۸ وسندہ صحیح)
(۱۳) الجوزجانی نے کہا: " أسد بن عمرو و أبو یوسف و محمد بن الحسن واللؤلوي قد فرغ الله منهم " یعنی اسد بن عمرو و ابو یوسف و محمد بن الحسن و اللؤلؤی سے اللہ نے ہمیں نجات دے دی ہے۔
(احوال الرجال: ۹۶۔۹۹ص ۷۶۔۷۷)
(۱۴) ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا (۱/۲۰۲ ت ۸۲۱)
(۱۵) ابن الاثیر نے کہا. " وهو ضعیف في الروایة جداً کذبه غیر واحد ۔۔ و کان فقیهاً کبیراً " اور وہ روایت میں سخت ضعیف ہے، کئی (علماء) نے اسے کذاب کہا ہے، اور وہ بڑا فقیہ تھا (غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ۱/۲۱۳ ت ۹۷۵)
(۱۶) ذہبی نے کہا: " لم یخرجوا له في الکتب الستة لضعفه و کان رأساً في الفقه " اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے محدثین نے کتب ستہ میں اس سے روایت نہیں لی اور وہ فقہ میں سردار تھا (العبر فی خبر من غبر ۱/۲۷۰ وفیات ۲۰۴ھ)
(۱۷) ابن عدی نے کہا: " والکلام فیه وعلیه فضل وهو ضعیف کما ذکره ابن نمیر وغیره أنه کان یکذب علی ابن جریج " (الکامل ۲/۷۳۲)
(۱۸) حافظ السمعانی نے کہا: " و کان الناس تکلموا فیه ولیس في الحدیث بشيءٍ " (الانساب ۵/۱۴۶)
(۱۹) ابن شاہین نے اسے تاریخ أسماء الضعفاء والکذابین میں ذکر کیا (ص ۷۲ ترجمہ: ۱۱۸)
(۲۰) حافظ الہیثمی نے کہا: " وفیه الحسن بن زیاد اللؤلوي وهو متروك " (مجمع الزوائد ۶/۲۶۲)
ان بیس (۲۰) محدثین کے مقابلے میں " سیرت (حسین بن) منصور حلاج " کے مصنف ظفر احمد تھانوی عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے کہ: " توثیق الحسن بن زیاد اللؤلؤي صاحب الإمام " یعنی امام ابوحنیفہ کے شاگرد حسن بن زیاد اللؤلؤی کی توثیق (اعلاء السنن ج ۳ ص ۷۲ تحت ح ۷۷۶) إنا لله وإنا الیه راجعون
اس ایک حوالے سے ظفر احمد تھانوی صاحب اور کتاب اعلاء السنن کی حیثیت لوگوں کے سامنے واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح یہ لوگ دن رات جھوٹ کو سچ اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔
ایک طرف جلیل القدر محدثین کرام کی ایک جماعت حسن بن زیاد اللؤلؤی کو کذاب و متروک قرار دے رہی ہے اور دوسری طرف ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب اسے ثقہ قرار دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

ظفر احمد تھانوی دیوبندی کے اکاذیب اور علمی مقام سمجھنے کے لئے دیکھئے میری کتاب "اکاذیب آلِ دیوبند" (قلمی ص ۱۸۰ تا ۱۸۷)

تھانوی صاحب نے یحییٰ بن آدم سے منسوب قول " مارأیت أفقه من الحسن بن زیاد " میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا، بغیر کسی معتبر سند کے نقل کیا ہے۔ یہ قول قاضی حسین بن علی الصمیری کی کتاب میں باسند مذکور ہے (أخبار أبي حنیفہ وأصحابہ ص ۱۳۱) اس میں دوراوی محمد بن منصور اور محمد بن عبیداللہ الھمد انی نامعلوم التوثیق ہیں۔ الصمیری کا استاد احمد بن محمد الصیر فی مجروح ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۵/۶۹ ت ۲۴۴۷) لہذا یہ قول ثابت ہی نہیں ہے۔ اس قسم کی غیر ثابت روایات ہی ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

تنبیہ: کتاب الثقات لابن حبان (۸/۱۶۸) میں ایک حسن بن زیاد کا ذکر موجود ہے جس کا شاگرد اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ہے۔ اس حسن بن زیاد سے لؤلؤی مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ کوئی دوسرا حسن بن زیاد ہے۔

اور اگر لؤلؤی مراد ہو تو بھی جمہور کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔ یاد رہے کہ صحیح ابن حبان (الاحسان وموارد الظمآن) میں لؤلؤی مذکور کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: حسن بن زیاد اللؤلؤی کذاب ومتروک راوی ہے۔ اگر کسی شخص کو اس تحقیق سے اختلاف ہے تو سنجیدہ اور مدلل باحوالہ تحریر کے لئے ماہنامہ "الحدیث" کے صفحات حاضر ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ ۵ مئی ۲۰۰۵ء)

شذرات الذھب

[تنویر شاہ ہزاروی]

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) اپنی والدہ محترمہ کا بہت خیال رکھا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ان کے لیے کپڑے خریدتے تو نرم ونازک کپڑے خریدتے اگر چہ مضبوط نہ بھی ہوں۔ (ان کی والدہ رنگے ہوئے کپڑے پسند کرتی تھیں لہذا) ہر عید کو ان کے لیے کپڑے رنگے جاتے تھے۔

آپ کی ہمشیرہ حفصہ (بنت سیرین رحمہا اللہ) بیان کرتی ہیں کہ: میں نے اپنے بھائی محمد بن سیرین کو کبھی بھی امی کے ساتھ اونچی اور زوردار آواز میں گفتگو کرتے نہیں سنا۔ آپ امی سے اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے کوئی سرگوشی کررہا ہو۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۷/۱۹۸ وإسنادہ صحیح)

مصنف: الشیخ عبدالمحسن العباد مترجم: حافظ عبدالحمید ازہر

اتباعِ کتاب وسنت

اصول کی طرح فروع میں بھی سنت کی اتباع لازم ہے

کتاب وسنت کے دلائل کے مطابق جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع عقیدے سے متعلقہ امور میں واجب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فإنه من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء المهدیین الراشدین''

کہ تم میں سے جو زندہ رہا بہت اختلافات دیکھے گا اس صورت میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے رکھنا۔[سنن ابی داؤد : ۴۶۰۷ مسند احمد ۴/۱۲۷ح ۱۷۱۴۵، الموسوعۃ الحدیثیۃ ۲۸/۳۷۵، الموارد ح ۱۰۲ مسند دارمی ۱/۴۵ ح ۹۶]

بعینہ اسی طرح فروعی مسائل جن میں اجتہاد جائز ہے دلیل ظاہر ہو جانے پر ان میں بھی سنت کی اتباع لازم ہے۔ اس امت کے سلف نے اسی طرح کی نصیحت کی جن میں ائمہ اربعہ یعنی ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور امام احمد شامل ہیں۔ ان کی نصیحت ہے کہ دلیل سے ثابت شدہ موقف کو اختیار کرنا چاہئے اور یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث وارد ہو تو اس کے خلاف ہونے کی صورت میں ان کے اقوال ترک کر دیئے جائیں۔

امام مالک کا یہ مقولہ تو زبان زد عام ہے:

'' کل یؤخذ من قوله ویرد علیه إلا رسول الله صلی الله علیه وسلم ''

ہر ایک کی بات پر عمل ہو سکتا ہے اور اسے رد بھی کیا جا سکتا ہے ماسوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ آپ کا قول واجب الاتباع ہے[۱])

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''لوگوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واضح ہو اس کیلئے روا نہیں کہ کسی شخص کے قول کے سبب (سنت) چھوڑ دے'' (کتاب الروح بن لاقیم ص ۳۹۵، ۳۹۶)

ابن قیم نے یہ قول نقل کرنے سے کچھ پہلے لکھا ہے کہ:

''جو شخص علماء کے اقوال کو نصوص پر پیش کرتا ہے ان سے موازنہ کرتا ہے اور ان میں سے جو نص کے مخالف ہو اس

---

(۱) بے سند قول ہے۔ یہ قول سند متصل سے نہیں ملا۔ نیز دیکھئے مقدمۃ صفۃ الصلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۳

کی مخالفت کرے تو ان کے اقوال بے وقعت کرنے یا ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ ان کی اقتداء کرنے والا بنتا ہے اس لئے کہ ان سب نے اسی کا حکم دیا ہے۔تو ان کا حقیقی پیرو وہ ہوگا جو ان کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہو نہ کہ وہ جو اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو۔''

ائمہ مذاہب اربعہ کی فقہ سے اشتغال رکھنے والے بعض علماء سے بھی منقول ہے کہ وہ ائمہ کے اقوال کے دلائل صحیحہ سے ٹکراؤ کی صورت میں دلائل پر اعتماد کرتے۔چنانچہ اصبغ بن الفرج کہتے ہیں: ''حالت حضر میں (موزوں پر) مسح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ سے ہمارے نزدیک قوی تر ہے اور اس قدر ثابت ہے کہ ہم اس کے مقابلے میں امام مالک کے قول کی اتباع نہیں کر سکتے۔'' (فتح الباری: ۳۰۶/۱)

اور حافظ رحمہ اللہ فتح الباری (۲۷۶/۱) میں فرماتے ہیں: ''کتے کے برتن میں منہ ڈالنے کی صورت میں مالکی فقہاء اسے مٹی سے مانجھنا ضروری خیال نہیں کرتے۔قرافی (مالکی) کہتے ہیں: اس بارے میں احادیث درجہ صحت کو پہنچی ہیں تو ان (مالکی فقہاء) پر تعجب ہے کہ انہوں نے ان کے مطابق قول اختیار کیوں نہیں کیا''

ابن عربی مالکی کہتے ہیں: ''مالکی فقہاء کہتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ جس بات پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ان کی امت کو بھی ویسا ہی عمل کرنا چاہئے کیونکہ اصل عدم خصوصیت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین سکیڑ دی گئی اور جنازہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا رب اس پر قادر ہے اور یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان بھی تھا لیکن وہی بات کہو جو روایت کے ذریعے تم تک پہنچی ہے، اپنی طرف سے بات نہ بناؤ۔۔اور صرف ثابت شدہ احادیث و روایات بیان کرو۔ ضعیف روایات کو چھوڑ و کیونکہ اس کا نتیجہ نا قابلِ تلافی نقصان کی صورت میں نکلے گا۔'' (فتح الباری: ۱۸۹/۳، نیل الاوطار للشوکانی: ۵۴/۴)

ابن کثیر رحمہ اللہ '' **والصلوٰۃ الوسطی** '' کے تعین کے بارے میں بحث کا خاتمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے تو اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار ہی نہیں'' پھر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں: ''میرا جو قول بھی ایسا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح اس کے خلاف مروی ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اولیت رکھتی ہے اس صورت میں میری تقلید نہ کرو۔'' نیز فرمایا: ''جب حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اور میری رائے اس کے خلاف ہو (تو یوں سمجھو) میں اپنی اس رائے سے رجوع کر چکا ہوں اور میرا قول وہی ہے جو حدیث نبوی سے ثابت ہے۔''

یہ نقل کرنے کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں: ''یہ چیز ان کی کمالِ امانت پر دلالت کرتی ہے۔بعینہ یہی بات ان کے تمام بھائیوں یعنی ائمہ کرام نے کہی۔اللہ کی ان پر رحمت و رضوان ہو۔آمین۔اسی بنیاد پر قاضی ماوردی نے دوٹوک الفاظ میں لکھا ہے کہ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ صلاۃ وسطی نماز عصر ہے حالانکہ انہوں نے جدید قول میں صراحت کی ہے کہ اس سے مراد فجر کی نماز ہے اور شافعی مذہب رکھنے والے محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس طریقہ پر ان کی

موافقت کی ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ'' (تفسیر ابن کثیر ۱؍۵۸۷ بتحقیق عبدالرزاق المھدی)

حافظ ابن حجر فتح الباری (۲؍۲۲۲) میں فرماتے ہیں: ''ابن خزیمہ نے دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع الیدین کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سنت ہے اگرچہ شافعی نے اس کا ذکر نہیں کیا پس (اس کی) سند صحیح ہے اور شافعی کہہ چکے ہیں کہ سنت کے مطابق موقف اختیار کرو اور میرا قول چھوڑ دو۔''

فتح الباری (۳؍۹۵) میں یہ بھی ہے کہ: ''ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ عالم کے لئے حرام ہے کہ سنت معلوم ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کرے۔''

فتح الباری (۲؍۴۷۰) میں ہے کہ بیہقی نے معرفۃ (السنن والآثار ۳؍۵۴ ح ۱۹۳۴ وسندہ صحیح) میں ربیع (شافعی کے تلمیذ خاص) کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا: عورتوں کے عیدگاہ میں جانے کے متعلق ایک حدیث مروی ہے اگر ثابت ہو تو وہی میرا قول ہے۔ ان کا اشارہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف تھا۔ اس لئے شوافع پر لازم ہے کہ اس کے قائل ہوں۔ امام نووی نے شرح مسلم (۴؍۴۹) میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ''احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راھویہ کا کہنا ہے کہ اس بارے میں دو احادیث ہیں ایک سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی اور دوسری سیدنا براء رضی اللہ عنہ کی یہ موقف قوی تر ہے اگرچہ جمہور اس کے خلاف ہیں۔''

حافظ ابن حجر نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ''أمرت أن أقاتل الناس'' کی شرح میں مانعین زکوۃ کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والی بحث کا ذکر کرکے لکھا ہے: ''اس قصہ میں دلیل ہے کہ سنت اکابر صحابہ پر بھی مخفی رہ سکتی ہے جبکہ ان میں سے عام آدمی اس پر مطلع ہو اس لئے سنت کے ہوتے ہوئے آراء کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنا چاہئے خواہ آراء بظاہر اچھی ہی کیوں نہ ہوں جب وہ سنت کے خلاف ہوں تو ان کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔ اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ سنت فلاں ہستی پر کیسے مخفی رہ گئی۔''
(فتح الباری: ۱۲؍۲۷۶)

اور فتح الباری (۳؍۵۴۴) میں فرماتے ہیں: ھدی کو نشان لگانا سلف وخلف میں سے جمہور کا قول ہے۔ طحاوی نے ''اختلاف العلماء'' میں امام ابوحنیفہ سے اس کی کراہت نقل کی ہے جبکہ ان کے سوا ائمہ کا خیال ہے کہ سنت کی اتباع میں یہ مستحب ہے یہاں تک کہ ان کے شاگردان خاص محمد اور ابویوسف بھی اسے مستحسن قرار دیتے ہیں۔

تمام بدعات گمراہی ہیں کوئی بدعت حسنہ نہیں ہوتی

بدعات تمام کی تمام گمراہی اور ضلالت ہیں جس کی دلیل سیدنا جابر اور سیدنا عرباض رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم عام ہے کہ ''کل بدعۃ ضلالۃ'' ہر بدعت گمراہی ہے [سنن ابی داود: ۴۶۰۷] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''کل بدعۃ ضلالۃ'' کا عموم واضح کر رہا ہے کہ جو شخص کہتا ہے یا سمجھتا

ہے کہ اسلام میں کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے تو اس کا یہ قول اور زعم باطل ہے۔ مزید برآں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف ان سے مروی اثر میں قریب ہی گزرا ہے کہ ''**كل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة**'' ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے اچھا ہی سمجھیں، [السنۃ للمروزی:۸۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

''**من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شئ**''

جس نے اسلام میں کوئی اچھا نمونہ قائم کیا تو اسے اپنے اس عمل کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو اور جس نے اسلام میں برا نمونہ قائم کیا تو اس کے سر اس کا بوجھ ہوگا اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے بوجھ میں کوئی کمی واقع ہو۔ (مسلم: ۱۰۱۷) سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اسلام میں بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے، ہرگز روا نہیں، اس لئے کہ اس سے مراد ثابت شدہ نیک اعمال کی طرف سبقت کرنا ہے (نہ کہ بدعت جاری کرنا) جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور فرمان نبوی سے پہلے اس کا سبب بتایا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ مدینہ آئے ان پر فقر وفاقہ کے آثار ظاہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی ترغیب دلائی تو انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلی لے کر آیا جسے اٹھانے سے اس کا ہاتھ عاجز آ رہا تھا (اس کے بعد لوگ پے در پے صدقات لے کر آئے) تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من سن في الإسلام سنة حسنة** (حوالہ مذکور ہے) اسی طرح ایسے علاقے میں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ثابت شدہ سنت معروف نہ رہی ہو تو اسے وہاں زندہ کرنا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہوگا لیکن اس سے یہ معنی مراد لینا کہ دین میں نو ایجاد امور کو شامل کر دیا جائے تو یہ ہرگز روا نہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کیا جا چکا ہے:

''**من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد**'' جس نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔ [صحیح بخاری: ۲۶۹۷ وصحیح مسلم: ۱۷۱۸]

اس لئے کہ شریعت مکمل ہے۔ بدعات اور نو ایجاد کاموں کی محتاج نہیں اور بدعات ایجاد کرنا درحقیقت شریعت پر نامکمل اور ناقص ہونے کا الزام لگانے کے مترادف ہے اور قریب ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے۔ ''**كل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة**'' ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے اچھا ہی سمجھیں۔ [السنۃ للمروزی: ۸۲]

اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول بھی کہ جس نے اس میں کوئی بدعت نکالی اور اسے اچھا سمجھا تو اس نے یہ گمان کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے'' تو جو کام اس روز دین نہیں

تھا آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔(دیکھئے الحدیث:۱۵ص۳۳)

جہاں تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو نمازِ تراویح میں ایک امام پر جمع کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایک مسنون عمل کو ظاہر کرنے اور سنت کو زندہ کرنے کی مثال ہے اس لئے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی بعض راتوں میں لوگوں کو قیام رمضان کی نماز پڑھائی تھی۔اور اسے مستقل طور پر ادا کرنا امت پر اس قیام کے فرض ہونے کے خدشے سے ترک کیا تھا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔(حدیث:۱۱۲۹)

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سلسلہ وحی کے منقطع ہو جانے کے سبب فرض ہونے کا خدشہ جاتا رہا،تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کے متعلق یہ جو کہا ''**نعم البدعة هذه**'' یہ اچھا آغاز ہے۔[بخاری:۲۰۱۰] تو یہاں لفظ ''بدعت'' اپنے شرعی مفہوم میں نہیں لغوی مفہوم میں ہے۔

لغوی ''بدعت'' (آغاز) اور شرعی ''بدعت'' (نو ایجاد) کا فرق

لغوی مطالب عام طور پر شرعی مفاہیم سے وسیع تر ہیں، زیادہ تر شرعی مفہوم لغوی معنی کا جزء ہوتا ہے۔تقوی، صیام(روزہ) حج، عمرہ اور بدعت کے الفاظ اس کی مثالیں ہیں۔چنانچہ تقوی کا لغوی معنی یہ ہے کہ انسان اپنے اور ایسی چیز کے درمیان جس سے وہ خوف محسوس کرتا ہے بچاؤ کے لئے کوئی چیز رکھ لے جو اسے دوسری چیز کے شر سے محفوظ رکھے جیسا کہ سورج کی گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں یا خیمے لگائے جاتے ہیں۔زمین پر بڑی اشیاء کے ضرر سے بچنے کے لئے جوتے استعمال کئے جاتے ہیں،لیکن شرعی اصطلاح میں اللہ سے تقوی کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنے اور اللہ کے غضب کے درمیان کوئی ایسی چیز رکھے جو اسے غضب الٰہی سے محفوظ رکھے اور یہ اس کے احکام بجالانے اور اس کی ممنوعات سے پرہیز کرنے سے ہوگا۔

صیام(روزہ) لغت میں رکنے کو کہتے ہیں۔جبکہ شریعت کی اصطلاح میں خاص قسم کے رکنے کو کہتے ہیں۔اور وہ ہے کھانے پینے اور روزہ افطار کرنے کے جملہ اسباب سے طلوع فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک پرہیز کرنا۔

حج لغت میں ہر ارادہ و قصد کو کہتے ہیں جبکہ شرعی اصطلاح میں خاص مناسک کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔

عمرہ لغوی طور پر ہر زیارت کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں کعبہ کی زیارت جو اس کا طواف، صفا مروہ کی سعی اور حلق یا تقصیر سے عبارت ہے۔

اسی طرح لغت میں ہر وہ چیز جو پہلے سے مثال نہ ہوتے ہوئے نو ایجاد کی جائے اور شرعی اصطلاح میں وہ عمل و اعتقاد ہے جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو اور یہ سنت کی ضد ہے۔

مصالح مرسلہ بدعات میں سے نہیں

مصلحت مرسلہ ایسی مصلحت کو کہتے ہیں کہ کوئی شرعی دلیل اس کے اعتبار کرنے یا اس کے ساقط کرنے پر دلالت نہ کرے۔ جبکہ وہ کسی شرعی مقصد کو پورا کرتی ہو جیسے کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جمع قرآن، کتابوں کا لکھا جانا اور بیت المال سے وظیفہ لینے والوں کا ریکارڈ محفوظ کرنا۔ شریعت میں کوئی نص ان امور کے ثبوت یا ممانعت میں وارد نہیں۔ جہاں تک جمع قرآن کا تعلق ہے تو یہ ذریعہ ہے اس کے محفوظ رہنے کا اور اسی کی بدولت اس کا کوئی حصہ بھی ضائع نہیں ہوا۔ اور اسی سے اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے'' [الحجر:۹] پورا ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی تو وہ متردد تھے انہوں نے کہا میں ایسا کام کیوں کرسکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم یہ بہتر ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امر پر بار بار کہتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے مجھے شرح صدر عطا کر دی اور میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گیا۔ (بخاری: ۴۶۷۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحیفوں میں جمع کیا تھا جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک مصحف میں جمع کیا۔ رجسٹروں اور ریکارڈوں کی تیاری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ جب فتوحات بکثرت ہوئیں، غنیمت اور فئی کی صورت میں وافر مال بیت المال میں آ گیا تو لشکریوں اور بیت المال سے وظیفہ لینے والے دیگر افراد کے ناموں کا ریکارڈ رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ نظام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے وجود میں نہ آیا تھا۔ جبکہ یہ عمل ذریعہ ہے مستحق افراد کے حقوق کی یقینی ادائیگی کا۔ اور سدباب ہے ان میں سے کسی کے محروم رہ جانے کے خدشے کا۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بعض بدعات کو مصالح مرسلہ میں شامل کر کے حسن قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ مصالح مرسلہ میں شریعت کے مقرر کردہ کسی مقصد کو پورا کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برخلاف بدعات میں شریعت پر ناقص ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے قول میں گزر چکا ہے۔

نیت اچھی ہونے کے ساتھ سنت کی موافقت بھی ضروری ہے

بدعات کے معاملے کو معمولی سمجھنے والوں کی طرف سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے بدعت کا مرتکب ہوتا ہے اس کی نیت تو اچھی ہے اس لئے اس اعتبار سے اس کے عمل کو بھی اچھا ہی کہا جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مقصد نیک ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عمل سنت کے مطابق ہو اور یہ بھی نیک عمل کی قبولیت کی دو شرطوں میں سے ایک ہے جن کا تذکرہ ہو چکا۔ یہ دو شرطیں، اللہ کے لئے اخلاص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہیں۔

اور وہ حدیث گزر چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوا یجاد بدعات ایسا عمل کرنے والوں کو لوٹا دی جاتی ہیں (اللہ تعالیٰ کے حضور شرف قبولیت نہیں پا سکتیں) متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

'' **من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد** '' جس نے ہمارے دین میں ایسا عمل ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ [بخاری: ۲۶۹۷، مسلم: ۱۷۱۸]

صحیح مسلم کے الفاظ یوں ہیں:

''**من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد**'' جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔ [صحیح مسلم: ۱۷۱۸/۱۸]

اور مقصد نیک ہونے کے ساتھ سنت کی اطاعت ضروری ہونے کے دلائل میں اس صحابی کا قصہ بھی ہے جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**شاتك شاة لحم**'' تمہاری ذبح کی وہ بکری ایسی ہے جس طرح گوشت کھانے کے لئے ذبح کی گئی بکری ہوتی ہے (قربانی شمار نہیں ہوگی)۔ (بخاری: ۹۵۵، مسلم: ۱۹۶۱)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰/۱۷) میں لکھا ہے: ''شیخ ابو محمد بن ابی جمرہ کا قول ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ عمل اگرچہ اچھی نیت سے کیا گیا ہو اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو۔''

سنن دارمی (۲۱۰) میں صحیح سند کے ساتھ مذکور اس واقعہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے: ''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھے لوگوں کے پاس آئے جن کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں۔ ان میں سے ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو۔ اور وہ کنکریوں پر شمار کر کے سو بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر وہ کہتا سو بار لا الہ الا اللہ کہو۔ سو بار سبحان اللہ کہو۔ اور لوگ اسی طرح کرتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ابو عبدالرحمٰن ہم تکبیر تسبیح تہلیل کنکریوں پر شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تو تم اپنے گناہ شمار کرو (یعنی ان اعمال سے توبہ کرو تو) میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! تم پر افسوس ہے تم اس قدر تیزی سے ہلاکت کی طرف لڑھک گئے۔ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وافر تعداد میں موجود ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوسات ہیں جو ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے طریقہ پر ہو جس میں ملت محمدیہ سے بھی زیادہ ہدایت پائی جاتی ہے یا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ وہ کہنے لگے۔ ابو عبدالرحمٰن ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی کا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلائی کا ارادہ کرنے والے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اسے پا نہیں سکتے۔ ملاحظہ ہو السلسلہ الصحیحہ لمحدث الالبانی رحمہ اللہ (ح: ۲۰۰۵) [اس کی سند حسن ہے]

بدعات کے خطرات اور اس حقیقت کا بیان کہ ''یہ گناہوں'' سے بدتر ہیں

بدعات کا معاملہ گھمبیر اور ان کا قضیہ غیر معمولی ہے۔ان کے برے اثرات بہت وسیع ہیں یہ عام گناہوں اور نافرمانیوں سے زیادہ خطرناک ہیں اس لئے کہ عام گناہ کا مرتکب جانتا ہے اور مانتا ہے کہ وہ حرام میں ملوث ہے کبھی نہ کبھی اسے چھوڑ دیتا ہے اور تائب ہو جاتا ہے جب کہ بدعت کا رسیا یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اس لئے مرتے دم تک اسی پر ڈٹا رہتا ہے جبکہ وہ اپنی خواہشات نفس کا پیرو ہوتا ہے اور راہ راست سے بھٹکا ہوا راہی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

''بھلا وہ شخص جس کو اس کے اعمال بدآراستہ کر کے دکھائے جائیں اور وہ ان کو نیکی سمجھنے لگے تو وہ (بھلا راہ راست پر کیسے آئے گا) بلاشبہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔[فاطر:۸]

نیز فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَ هُمْ ﴾[محمد:۱۴]

بھلا جو شخص اپنے رب کی مہربانی سے واضح ہدایت پر ہو وہ ان لوگوں کے مانند ہوسکتا ہے جن کو ان کے برے اعمال مزین کر کے دکھائے جائیں اور وہ اپنی خواہشات کے غلام بن کر رہ گئے ہوں۔

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾[صٓ:۲۶]

اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ لگو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی۔

نیز فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ﴾[القصص:۵۰]

اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''**إن اللـه حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته**'' اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو اوجھل کر رکھا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعات کو چھوڑ دے۔

اس حدیث کو منذری نے ترغیب وترہیب (۸۶) ترک سنت اور بدعات کے ارتکاب اور خواہشات کی پیروی پر وعید میں ذکر کیا ہے۔اور کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(نیز ملاحظہ ہو سلسلہ صحیحہ للالبانی:۱۶۲۰)[یہ حدیث حمید الطّویل کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ز۔ع]

ابوالعباس حافظ شیر محمد

امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت

نبی ﷺ اور ابوبکر، عمر وعثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) احد کے پہاڑ پر چڑھے تو (زلزے کی وجہ سے) احد کانپنے لگا۔ آپ (ﷺ) نے اس پر پاؤں مار کر فرمایا: اُحد رک جا! تیرے اوپر (اس وقت) ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (موجود) ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳٦۸٦)

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ((**افتح له وبشره بالجنة، علی بلوی تصیبه**)) اس کے لئے دروازہ کھول دو اور جنت کی خوش خبری دے دو اور یہ (بھی بتادو) کہ انہیں ایک مصیبت (اور آزمائش) پہنچے گی۔ تو میں نے انہیں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو) بتادیا۔ پھر اللہ کی حمد بیان کی اور کہا: **الله المستعان**، اللہ مددگار ہے۔ (البخاری: ۳٦۹۳ ومسلم: ۲۸/۲۴۰۳)

مشہور حدیث میں آیا ہے کہ پیارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**وعثمان فی الجنة**'' اور عثمان جنت میں (یعنی جنتی) ہیں۔ (الترمذی: ۳۷۴۷ وسندہ صحیح)

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ جہاد (**جیش العسرة**) کی تیاری کر رہے تھے تو (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) اپنی آستین میں ایک ہزار دینار لے آئے اور انہیں آپ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ انہیں جھولی میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرمارہے تھے: ''**ماضر عثمان ما عمل بعد الیوم**'' آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں انہیں نقصان نہیں ہوگا۔

(أحمد ۵/٦۳ ح ۲۰۹۰٦ والترمذی: ۳۷۰۱ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اور نبی کریم ﷺ کی بیٹی (رقیہ رضی اللہ عنہا) کی شدید بیماری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ((**إن لك أجر رجل ممن شهد بدراً وسهمه**)) تیرے لئے بدر میں حاضر ہونے والے آدمی کے برابر اجر اور مالِ غنیمت ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۱۳۰)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا غزوہ بدر کے دوران فوت ہو گئیں۔ (الإصابہ ص ۱٦۸۷ ت ۱۱۸۵۱ تراجم النساء)

ابو حبیبہ رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ محاصرے میں تھے۔ ابو حبیبہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: میرے بعد تم لوگ فتنے اور اختلاف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! پھر ہم کیا کریں؟

آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ((**عليكم بالأمين (بالأمير) وأصحابه** '' تم (اس) امین (امیر) اور اس کے ساتھیوں کو لازم پکڑ لینا۔ (مسند أحمد ۲/ ۳۴۵ والموسوعۃ الحدیثیۃ ۱۴/ ۲۱۹، ۲۲۰ ح ۸۵۴۱ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۳/ ۹۹، ۴/ ۴۳۳ ووافقہ الذہبی)

سیدنا مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے بعد کے) فتنوں کا ذکر کیا، اتنے میں ایک آدمی کپڑا اوڑھے ہوئے وہاں سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو وہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) تھے۔ (سنن الترمذی: ۳۷۰۴ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

بیعتِ رضوان کے موقع پر جب کفارِ مکہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا تھا تو سیدنا و محبوبنا نبی کریم ﷺ نے بیعتِ رضوان لی۔ آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں فرمایا: ''**ھذا ید عثمان**'' یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور پھر اسے اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۶۹۹)

ابو سہلہ رحمہ اللہ مولی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (باغیوں کے محاصرے والے دنوں میں) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ (ان باغیوں سے) جنگ کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ ایک وعدہ کیا تھا اور میں اس پر صابر (شاکر) ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۴۵ ح ۳۲۰۲۸ وسندہ صحیح، والترمذی: ۳۷۱۱ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'')

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبے کے دوران یہ آیت پڑھی ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ جن کے مقدر میں ہماری طرف سے بھلائی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

(سورۃ الأنبیاء: ۱۰۱)

(پھر) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**عثمان منهم**'' عثمان (رضی اللہ عنہ) انہی میں سے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۵۲ ح ۳۲۰۴۳ وسندہ صحیح)

سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے سامنے (سیدنا) عثمان کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ امیر المؤمنین (علی رضی اللہ عنہ) اب آرہے ہیں وہ تمہیں بتائیں گے۔ پس سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا کہ: عثمان ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ وہ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے پھر ایمان کے ساتھ تقوے والا راستہ اختیار کیا، پھر تقوے اور احسان والا راستہ اختیار کیا اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ [سورۃ المائدہ: ۹۳]

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۵۴ ح ۳۲۰۵۱ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھ اٹھا کر فرماتے تھے کہ: **اللهم إنى أبرأ إليك من دم عثمان**، اے اللہ میں عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خون سے بری ہوں۔ (فضائل الصحابۃ للإمام أحمد ۱/ ۴۵۲ ح ۷۲۷ وسندہ حسن)

رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ: ((**يا عثمان إن الله عزوجل عسى أن يلبسك**

قميصاً ، فإن أرادك المنافقون على خلعه فلا تخلعه حتى تلقاني)) اے عثمان! عنقریب اللہ عزوجل تجھے ایک قمیص (خلافت کی) پہنائے گا۔ پس اگر اسے اتارنے کے لئے تیرے پاس منافقین آ جائیں تو میری ملاقات (یعنی وفات وشہادت) تک اسے نہ اتارنا۔ (مسند أحمد ٦/٨٦، ٨٧ ح ٢٥٠٧٣ وسندہ صحیح، الموسوعۃ الحدیثیۃ ۴۱/۱۱۳)

جمہور اہلِ سنت کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زیادہ افضل ہیں۔ اہلِ سنت کے مشہور ثقہ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵ھ) سے پوچھا گیا کہ آپ علی سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا عثمان سے؟ انہوں نے جواب دیا: عثمان سے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۱/۳۳۴ وسندہ صحیح)

الحمد للہ اہلِ سنت دونوں سے محبت کرتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مؤمن یا مسلم کے دل میں علی اور عثمان دونوں کی محبت اکٹھی نہیں ہو سکتی، سن لو کہ ان دونوں کی محبت میرے دل میں اکٹھی ہے۔
(تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۱/۳۳۲ وسندہ حسن)

حافظ ابن عساکر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات سندوں کے ساتھ ایک جلد میں لکھے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو سیدنا عثمان و سیدنا علی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے بھر دے۔ آمین